
لا إله إلا الله محمد رسول الله
فرسان تحت راية النبي
للشيخ المجاهد أبي عبدالرحمن المصري
أيمن الظواهري
-حفظه الله-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجاہدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے
فرسان تحت رایۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ کتاب کہاں سے آئی ؟یہ ایک دلچسپ کہانی ہے ۔تاہم سب سے پہلے یہ حقیقت قارئین کو بتادی جائے کہ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے نائب اور دنیا کے سب سے مطلوب ترین فرد کی یہ آپ بیتی کتابی صورت میں پہلی بار سامنے آرہی ہے یہ کتاب دنیا کی کسی بھی زبان میں ابھی تک شائع نہیں ہوئی ۔افغانستان میں امریکی حملے سے قبل ڈاکٹر ایمن الظواہری حفظہ اللہ اپنی یہی آپ بیتی لکھنے میں مصروف تھے ۔اپنی آپ بیتی لکھتے وقت ایمن الظواہری حفظہ اللہ یہ سوچ رہے تھے کہ اس کتاب کو کوئی پبلیشر شائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے یہ بات جن حالات وواقعات اور مشکلات کو دیکھتے ہوئے لکھی ،ہوسکتا ہے انہوں نے اپنی جگہ درست لکھا ہو لیکن "فیکٹ"کو یہ کتاب کسی نہ کسی طرح آپ کے ہاتھوں میں پہنچانے کا کا شرف حاصل ہورہا ہے۔

یہ کتاب ایمن الظواہری حفظہ اللہ کے بہت سے "اعترافات "پر مبنی ہے جنہیں عوام کے سامنے لایا جانا ضروری تھا ۔اس کتاب کا مسودہ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کے ایک قریبی ساتھی "اے ایس"(کوڈ نام)کو قندھار کے قریب ایک غار سے ملا۔یہ کم وبیش وہی وقت تھا جب افغانستان پر امریکہ نے حملہ کیا اور ایمن الظواہری

ﷻسمیت القاعدہ کے جنگجوؤں کو فرار ہوناپڑا ۔"اے ایس"نے اس مسودے کو لندن پہنچادیا۔

ایمن الظواہریؒنے اس کتاب کا نام " Knights Under Prophet Banners"رکھاتھا،جسے اس بناءپر" مقدس جنگ"کانام دیا گیا کیونکہ ایمن الظواہریؒنے پوری کتاب کا خلاصہ مدنظر رکھتے ہوئے یہ نام رکھا تھا لیکن امریکی حملے نے انہیں یہ مہلت نہ دی کہ وہ اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچاسکیں ۔تاہم انہوں نے یہ انتظام ضرورکردیا کہ جو کچھ انہوں نے لکھ لیا ہے وہ محفوظ ہاتھوں میں پہنچ جائے۔

ایمن الظواہریؒاپنی اس آپ بیتی کے علاوہ بھی "Bitter Harvest"نامی ایک اورکتاب لکھ چکے ہیں۔اس کتاب کو انہوں نے مصری تنظیم مسلم برادر زہڈ اور اسلامی گروپ کی ناکامیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے ۔

ایمن الظواہریؒ کی اس آپ بیتی کو اُن کی آخری وصیت یاجہادیوں کے لئے ایک "ہدایت نامہ"بھی کہا جاسکتاہے ۔ایمن الظواہریؒ نے اس میں اپنی زندگی کے مختلف مراحل،جہادی سرگرمیوں اور واقعات کو بیان کرنے کے علاوہ اسلامی جہادی تحریکوں کے ارتقاءاور نتائج پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔اس کتاب میں ایمن الظواہریؒ نے انورسادات کے قتل کے منصوبے سے لے کر اسلام آباد کے مصری سفارت خانے میں بم دھماکے کروانے تک جہاد اور دہشت گردی کی تمام گرہیں کھول کر رکھ دی ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا ہے کہ جہادی تحریکوں کو اس بدلتی ہوئی صورتحال میں اب کیا کرنا چاہئے ؟یہ فیصلہ کرنا قارئین کاکام ہے کہ یہ کتاب ایمن الظواہریؒ کی آخری وصیت ہے یا "مجاہدین "کے نام ہدایت نامہ۔۔۔۔۔؟

مقبول ارشد

Email:maqboolarshad@fact.com.pk



مترجم نوٹ

امریکه پر 11ستمبر کے حملوں کے بعد امریکی حکام نے القاعدہ کے مشتبه افراد کی جو فہرست جاری کی،اس میں پہلا نام اسامه بن لادنؒ کا جبکه دوسرانام ایمن الظواہریؒ کا ہے ،جسے القاعدہ کا دماغ کہا جاتا ہے۔ایمن الظواہریؒ کے بارے میں بہت کم شائع ہوا ہے اسی لئے لوگ ان کے بارے میں کم جانتے ہیں۔

ایمن الظواہریؒ پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں اور مصر کے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جسے ڈاکٹروں کاخاندان کہاجائے توبے جانه ہوگا کیونکه اس خاندان میں 40ڈاکٹر ہیں۔ایمن الظواہریd 1951ءمیں قاہرہ کے ایک جنوبی علاقے سعدی میں پیدا ہوئے۔سعدی کالونی 1906میں برطانیه نے آباد کی تھی ۔اس علاقے میں تقریباً نصف درجن زبانیں بولی اور سمجھی جاتی تھیں اور یه علاقه اپنے تحمل اور رواداری کی بناءپر مشہور تھا ۔یہاں پچاس کے عشرے تک ملی جلی آبادی رہتی تھی ۔مختلف نسلوں کے ایک جگه اکھٹے ہونے کی وجه سے یه علاقه نہایت پرکشش علاقه بن گیا تھا۔یہاں مصر کے دونہایت اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم تھے ۔یه دواسکول قاہرہ امریکن کالج اور فرنچ کالج فرانسیں آج بھی ایسے تعلیمی اداروں میں سرفہرست ہیں جہاں داخله لینا جوئےشیر لانے کے مترادف ہے۔

ایمن الظواہریؒ نے ابتدائی تعلیم ایک سستے سرکاری اسکول میں حاصل کی ۔بعدازاں انہوں نے ڈاکٹری کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔الظواہریؒ جب ڈاکٹر بنے تو ان کے والد ڈاکٹر محمد ربیع الظواہری کی عین الشمس یونیورسٹی میں فارماکالوجی کے شعبے میں ڈپٹی چیئر مین کے عہدے پر فائز تھے ۔الظواہریؒ کے چچا محمدالظواہری ملک کے معروف ماہر امراض جلد ہیں

جبکہ ان کے ایک چچا قاہرہ یونیورسٹی کے اسکول آف میڈیسن کے سابق ڈین رہے ہیں ۔اس کے علاوہ ان کے خاندان کے نصف درجن افراد جامعۃ الازہر میں طب کی پریکٹس کرتے ہیں ۔جرمنی کی معروف دواساز کمپنی ہوئسٹ کی مصری شاخ کے سینئر ایگزیکٹوان کے قریبی عزیز ہیں۔ایمن الظواہری حفظہ اللہ کے خاندان کے متعدد لوگ بطور سرجن اور ڈینٹسٹ خلیجی ریاستوں میں کلینک اور ہسپتال چلارہے ہیں ایمن حفظہ اللہ کی تین میں سے دوبہنوں نے بھی میڈیکل کا شعبہ اختیار کیا اور ان کی شادیاں بھی ڈاکٹروں سے ہوئیں۔

ایمن الظواہری حفظہ اللہ خاموش طبع انسان تھے جو سر سے لے کر پاؤں تک مذہب میں ڈوبے ہوئے تھے ۔ایمن کے نانا ڈاکٹر محمد عبدالوہاب محمد عزام جوانی کے ایام میں طلبہ کے ایک گروپ کے ہمراہ اسکالر شپ پر برطانیہ گئے ،وہاں انہیں مصری سفارت خانے میں بطور مبلغ تعینات کردیا گیا ۔عبدالوہاب عزام جمعیت الاخوان اسلامیہ کے بانی اورپہلے صدر منتخب ہوئے پھر انہیں پاکستان میں سفیر مقرر کردیا گیا ۔ریٹائرمنٹ پر ریاض (شاہ السعود) یونیورسٹی کے قیام کا پراجیکٹ ان کے سپرد کیا گیا۔وہ اس کے پہلے ایدمنسٹریٹر بنے ۔جنوری 1959ءمیں ان کے انتقال پر سعودی شاہی خاندان نے ان کی خدمات کو شاندار خراج تحسین پیش کیا۔ایمن کی خوش قسمتی رہی کہ انہیں ننھیال اور ددھیال دونوں جانب سے علمی وادبی ماحول میسر آیا۔دونوں خاندانوں نے نابغہ روزگار شخصیات پیداکیں الظواہری حفظہ اللہ جب سعدی میں رہائش پذیر تھے توان کے ایک دادا ایک کزن عبدالرحمن حسن عزام پاشا بھی ان کے گاؤں منتقل ہوگئے جن سے الظواہری حفظہ اللہ نے بہت کچھ سیکھا ۔

1975ءمیں جب مصری صدر انور سادات کی معاشی پالیسیاں دنیا بھر کو دعوت دے رہی تھیں تو اس وقت ایمن الظواہری حفظہ اللہ میڈیکل کی تعلیم سے فارغ ہورہے

تھے ۔70ءکی دہائی میں جب انور سادات کی امریکی پالیسیاں عروج پر تھیں تو ان کے اقدامات کو مستحسن نگاہوں سے نہ دیکھا گیا اور کالجوں سے ابھرنے والی تحریک نے پھیل کر مصری معاشرے اور سیاست کو اتھل پتھل کردیا ۔اس زمانے میں یہودیوں اور عیسائیوں کے اتحادسے مسلم ثقافت اور قدروں کو جونقصان پہنچ رہا تھا،اچانک اسلام ان کے خلاف ایک مضبوط اور طاقتور حریف کے طور پر اترا اور یہودیوں کے اقدامات کا توڑ پیش کیا۔

1981ءمیں ایمن الظواہری حفظہ اللہ،سادات حکومت کے خلاف سازش اور ان کے قتل میں ملوث تنظیم الجہاد کے ساتھ رابطوں کے الزام میں قید کئے جاچکے تھے۔ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے اپنی تین سالہ اسیری کے دوران ایک راسخ العقیدہ مسلمان کا روپ دھار لیا۔وہ عزم وعمل میں راسخ ہوچکے تھے حالانکہ مصری جیل خانے ایسی جگہیں ہیں جہاں اکثر قیدی سیکولر ذہن لے کر باہر آتے ہیں۔ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے اپنا کلینک بند کردیا اور سعودی عرب چلے گئے ۔

سعودی عرب سے الظواہری حفظہ اللہ نے پاکستان کارخ کیا اور پاکستان میں کلینک کھول لیا اور افغان مہاجرین کے لئے مفت طبی سہولیات فراہم کرنا شروع کیں ۔یہ وہ دور تھا جب افغانستان پر روسی فوجیں قبضے کے لئے افغانیوں سے برسر پیکار تھیں۔افغانستان میں افغان مہاجرین کے علاج کے دوران ہی ان کی ملاقات اسامہ بن لادن حفظہ اللہ سے ہوئی ۔

ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے اپنی دینی اورمذہبی پس منظر کے باعث70ءسے ہی اسلامی تحریکوں کے لئے کام شروع کردیا تھا اور جہاد کے لئے ارکان کا چناؤ بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی۔وہ اپنی کم عمری ہی سے ایسے معاملات سے منسلک تھے ۔بین الاقوامی تجزیہ نگاروں کے مطابق القاعدہ کو جس ذہانت کے ساتھ چلایا جارہا ہے وہ درحقیقت اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے دست راست ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی ہے

۔الظواہری حفظہ اللہ نے اپنی تنظیم اسلامی جہاد کو 1998ءمیں القاعدہ میں ضم کردیا۔ایمن الظواہری حفظہ اللہ دوسرے فرد ہیں جنھوں نے 1998ءمیں امریکیوں کے خلاف اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کی جانب سے دیئے گئے مشہور فتویٰ پر دستخط کئے تھے ۔

11ستمبر کے حملوں کے بعد جاری ہونے والی ویڈیو ٹیپوں میں اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے ساتھ دکھائی دیئے ۔امریکہ میں ان پر افریقہ میں واقع امریکی سفارت خانے کو بم سے اڑانے کی فرد جرم عائد ہے اور مصر میں انہیں غیر موجودگی میں ہی سزائے موت سنائی گئی ہے۔

الظواہری حفظہ اللہ نے ان خطرناک حالات میں اپنی آپ بیتی کیوں لکھی؟میرے خیال میں ظواہری اس آپ بیتی کے ذریعے اپنے دشمنوں کو پیغام دینا چاہتا ہے۔عام حالات میں ایمن الظواہری حفظہ اللہ اپنے خاندان کے دیگر لوگوں کی طرح ایک کامیاب ڈاکٹر ہوتا لیکن اچانک ان کے خیالات میں تبدیلی پیدا نہ ہوتی۔ظواہری نے اپنی راہ کیوں تبدیل کی؟اس کا ذہن کیوں بدلا؟ایک ڈاکٹر اس راستے پر کیوں چل نکلا جس کے ہر سنگ میل پر اسے اپنے خاندان اور بچوں کی قربانیاں دینی پڑیں؟یہ سب حالات ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے اپنی آپ بیتی میں تفصیل سے بیان کئے ہیں ۔مجھے یہ کتاب برادرم مقبول ارشد نے ترجمے کے لئے دی تو ان کی خواہش تھی کہ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی اس آپ بیتی اور اعترافات کو ریکارڈ پر لایاجائے کہ ان کا پرزور اصرار فوری طور پر اس کتاب کے ترجمے کا باعث بنا۔

ارشد علی لاہور
Email: arshadfd@yahoo.com

ابتدائیہ

میں نے یہ کتاب کیوں لکھی ؟صرف اس لئے کہ اس کا لکھا جانا مجھ پر فرض ہوچکا تھا ۔یہ آئندہ نسلوں کا مجھ پر قرض تھا جو آج میں نے چکادیا ہے۔میں نے اپنی زندگی کی کہانی عمر کے اس حصے میں قلمبند کرنے کو اس لئے ترجیح دی کہ شاید میں جن مسائل اور پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں آئندہ حالات مزید بدتر ہوجائیں اور بدلتی ہوئی اس صورتحال میں میرے لئے یہ ممکن نہ رہے کہ میں اپنے حالات زندگی اور اپنے خیالات آپ تک پہنچاسکوں کیونکہ زندگی اور موت ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف ہیں ۔

میں نے یہ کتاب لکھ تو لی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ کوئی پبلشراسے شائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی ڈسٹری بیوٹر اس کتاب کو تقسیم کرنے پر رضامند ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کتاب کو میری "آخری خواہش"کی نظر سے دیکھ رہے ہیں ۔میں نے یہ کتاب اس لئے بھی لکھنا چاہی کہ آنے والی نسلیں اسے پڑھیں اور ا س پر عمل کریں ۔جن حالات میں ،میں گھرا ہواہوں شاید زیادہ نہ لکھ سکوں ۔لمحہ بہ لمحہ بدلتے حالات اور پریشان کن صورتحال میں مجھے معروف عرب شاعر کی ایک نظم دیا آتی ہے ۔

دوستوں کے بغیر ایک اجنبی
جس بستی میں بھی جاتا ہے
وہ جب عظیم ہونے کی خواہش کرتا ہے
تو اس کی مدد کرنے والوں کی تعداد
آہستہ آہستہ کم ہونے لگتی ہے

اور پھر وہ۔۔۔۔

اکیلارہ جاتا ہے !

تنہا اجنبی!!!

یہ کتاب میں نے صرف دوقسم کے لوگوں کے لئے لکھی ہے ۔ایک دنیا بھرکے دانشوروں کے لئے ،دوسرا مجاہدین کے لئے۔اسی لئے میں نے اس کتاب میں آسان زبان میں بات کی ہے ،صاف صاف لکھا ہے اور زبان کی نزاکتوں میں پڑنے کی بجائے ایک سادہ انداز اختیا رکیا ہے ۔

افغانستان کے حالات کی وجہ سے میں اس کتاب کے لئے ضروری دستاویزات اکٹھی نہیں کرسکا جو ضروری ہوتی ہیں ۔میں یہاں اس بات کی نشان دہی بھی کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں ایک عہد کا پابند ہوں اور اس عہد کی وجہ سے کچھ لوگوں کے نام اس کتاب میں نہیں لکھ سکا کیونکہ وہ ابھی حالت جنگ میں ہیں اور بہت سے کردار میدان کارزار میں نئی تاریخ رقم کررہے ہیں ۔

میں نے قارئین کو اس جنگ کے حقائق کی پس پردہ کہانی بیان کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ یہ کتاب پڑھنے والے اپنے خفیہ اورکھلے دشمن کوپہچان لیں۔وہ یہ پہچان کرسکیں کہ بھیڑیے کون کون سے ہیں اور لومڑیاں کون ہیں !تاکہ وہ خود کو ایسے ڈاکوؤں سے بچاسکیں جو ان کا سب کچھ چھیننا چاہتے ہیں۔

ایمن الظواہری

باب نمبر 1

دور دراز کے ملکوں کا سفر شاید میرے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔میں قاہرہ کے ایک کلینک السیدہ زینب میں اپنے ایک ساتھی فزیشن سے ملنے جایا کرتا تھا۔یہ کلینک اسلامی میڈیکل سوسائٹی کے زیر انتظام تھا اور اس سوسائٹی کو ”مسلم برادرز“نامی ایک تنظیم چلاتی تھی۔اس کلینک کے ڈائریکٹر ایک مسلم بھائی نے مجھے ایک دن افغانستان جاکر وہاں ریلیف کی کوششوں میں ہاتھ بٹانے کوکہا۔میں او رمیرا ساتھی فوراً افغانستان جانے پر رضامند ہوگئے۔میں نے سوچا کہ یہ ایک ایسا موقع ہے جو مجھے جہادی سرزمین میں لے جائے گا ۔وہاں رہ کر مصر میں جہاد کیا جاسکتا ہے۔

افغانستان ۔۔۔اسلامی دنیا کادل ۔۔۔جہاں اسلام کی بنیادی جنگ لڑی جارہی تھی۔میں اور میرے دوساتھی ڈاکٹر 1980ءمیں پاکستان کے سرحدی شہر پشاور پہنچ گئے ۔پشاور میں موسم گرما کی جھلسا دینے والی گرمی نے ہمارا استقبال کیا ۔ہمارا تین ڈاکٹروں کا گروپ افغان مہاجرین کے علاج معالجے میں مصروف ہوگیا۔

ہمارا اصل مقصد افغان مہاجرین کو طبی سہولتیں فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام آباد میں واقع امریکی سفارت خانے کو بم سے اڑانا تھا اور اگر یہ ہمارے لئے ممکن نہ ہوتا تو پھر ہمارا مقصد پاکستان میں کسی اور امریکی ادارے کو نشانہ بنانا تھا۔ہم نے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے پر حملے کے امکان کا

جائزہ لیا توہمیں محسوس ہوگیا کہ امریکی سفارت خانے پر بم مارنا ہماری صلاحتیوں سے ماوراءہے ۔افغانستان جانے کا موقع مجھے ایک سونے کی پلیٹ میں رکھ کر پیش کیا گیا کیونکہ میں مصر میں جہادی کاروائیوں کے لئے ایک محفوظ بیس کیمپ کی تلاش میں تھا کیونکہ وہاں بنیاد پرست تحریک کے ارکان کو گرفتار کرنے کے لئے چھاپے مارے جارہے تھے ۔یہاں میں اپنے ایک پرانے دوست ابوعبیدہ البنشیری کی ایک بات آپ کو سنانا چاہتا ہوں ۔ابوعبیدہ القاعدہ کے سابق ملٹری کمانڈر تھے۔وہ 1996ءمیں وکٹوریہ جھیل میں ڈوب گئے تھے ۔ابوعبیدہ کہتے تھے ”جب میں افغانستان پہنچا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میری عمر میں مزید سو سال کا اضافہ ہوگیا ہے“۔

افغانستان جاکر میں السنانیری کے بارے میں سنا جسے حسن ابوباشانے تشددکرکے مارڈالاتھا۔ ٗابوباشا حکومتی سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کا ڈائریکٹر ہے جو بعد ازاں وزیر داخلہ مقرر ہوا۔اگرچہ میں ذاتی طور پر السنانیری کو نہیں جانتا تھا لیکن اس کے ہونے کی گواہی نے پشاور اور افغانستان میں جہاں بھی ہم گئے ہمارا استقبال کیا۔لوگ ہر جگہ اس کی باتیں کرتے نظر آتے تھے ۔ابوطلال القاسمی نے جو کہ اسلامک گروپ کے ترجمان ہیں بتاتے ہیں کہ السنانیری کو امریکہ نے کروشیا سے اغواکیا اور 1980ءکے وسط میں مصر کے حوالے کردیا۔مصر میں ابوطلال اور السنانیری جب جیل میں تھے تو دونوں کی کوٹھریاں ساتھ ساتھ تھیں ۔

میں نے پشاور میں چار ماہ قیام کیا او ر محسوس کیا کہ افغانستان جہادی سرگرمیوں کے لئے کتنی آئیڈیل سرزمین ہے اور اگریہاں سے جہاد کی تحریک شروع کی جائے تو اس کی کامیابی یقینی ہوگی،پھر میں مصر واپس چلاگیا جہاں مجھے پکڑکر جیل میں ڈال دیا گیا۔مجھ پر الزام تھاکہ میں نے سادات کے

قتل کی منصوبہ بندی کی ہے ۔میں مصر کے اندر ہی ایک محفوظ جہادی مرکز کے بارے میں سوچتا رہتا تھا کیونکہ مصری سیکورٹی فورسز کے دستے اکثر میرے پیچھے پڑے رہتے تھے ۔مصر کی سر زمین ہموار اورمیدانی تھی ۔اس طرح اس سرزمین پر حکومتی کنٹرول آسان تھا۔دریائے نیل بھی دوصحراؤں کے درمیان بہتا ہے ۔اس کے علاوہ وہاں کوئی سبزہ یا پانی نہیں ہے۔اس طرح کی میدانی سرزمین گوریلا جنگ کے لئے مناسب نہیں ہوتی ،اسی لئے مصر میں گوریلا جنگ ممکن ہی نہیں۔اسی لئے وادی کے لوگوں کو حکومت زبردستی فوج میں شامل کرلیتی ہے اور بطور فوجی کارکن ان کا استحصال کیاجاتا ہے۔دباؤ کاماحول گھٹن کو جنم دیتا ہے او رجب گھٹن زیادہ ہوجاتی ہے توآتش فشاں پھٹ پڑتے ہیں اورگرم اورزہریلا لاوا اُبل پڑتا ہے اور اس آتش فشاں کے نتیجے میں زلزلے آتے ہیں جو زمین کو ہلاکررکھ دیتے ہیں۔اس تمام عمل میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔1940ءسے اسلامی تحریک مختلف حکومتی دباؤ کا شکار رہی ہے ۔

اس لئے جب مجھے افغان مہاجرین کے لئے بطور ڈاکٹر اپنی خدمات سرانجام دینے کا موقع ملاتومجھے لگا کہ میرے خوابوں اورخواہشات کو دیکھتے ہوئے شاید یہ دورہ پاکستان میرے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔اب میں آپ کو تفصیل کے ساتھ اپنی پاکستان آمد کا حال بتاتاہوں۔جب مجھے افغان مہاجرین کی بحالی کے کاموں کی خاطر میڈیکل کی سہولیات دینے کے لئے پشاور جانے کی دعوت ملی تومجھے یوں محسوس ہوا کہ میراایک دیرینہ خواب پورا ہونے والا ہے ۔میں نے یہ دعوت فوراً قبول کرلی ۔میں نے سوچا کہ یہ ایک بہترین موقع ہے کہ میں مصر میں اپنی کاروائیوں کے لئے ایک محفوظ کیمپ تک رسائی میں کامیاب ہوجاؤں گا۔یہ صدر انوالسادات کادورِحکومت تھا۔صدر سادات نے قومی

معاملات کو اس طرح چلانا شروع کیا کہ اب ایک نئی صلیبی جنگ کے آثار نمودار ہونے والے ہیں۔

میں نے اپنے ایک دوست جو ایک انستھیزسٹ ہے (آپریشن سے قبل نشہ آور دوا یا ٹیکے سے بے ہوش کرنے کا ماہر ڈاکٹر)تھا،کے ہمراہ پاکستان کے شہر پشاور پہنچا۔جلد ہی ہمارا ایک تیسرا ساتھی ڈاکٹر بھی ہم سے آملا جو پیشے کے لحاظ سے ایک سرجن تھا اور پلاسٹک سرجری کے امور میں مہارت رکھتا تھا۔ہم پہلے تین عرب ڈاکٹر تھے جو افغان مہاجرین کے جسمانی دکھوں، زخموں کا علاج کررہے تھے۔ہمیں پشار لے جایا گیا ۔ہمیں قدم قدم پر کمال السنانیری کے نشانات دکھائی دیتے۔اس نے افغان مہاجرین کے لئے ایک ہسپتال قائم کیا تھا۔وہ افغانستان کے مہاجرین کے لئے صحت کی سہولتیں فراہم کرنے کا بانی تھا۔اس کے بنائے گئے ہسپتال میں ہم نے دیگر ڈاکٹردوستوں کے ساتھ اکھٹے مل کرکام کیااور یہیں ہماری ملاقات مجاہد رہنماؤں سے ہوئی ۔مجاہد رہنما کمال السنانیری کی بہت تعریف کرتے تھے کہ انہوں نے مجاہد رہنماؤں کو اکٹھا کرنے میں اور ان کی رہنمائی کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔اگرچہ میں اسے کبھی نہیں ملا لیکن قدم قدم پر ان کی سخاوت اورنیکی کے کام مجھے نظر آتے جو اس نے اپنے خدا کو خوش کرنے کے لئے کئے تھے۔اس میں کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ کمال السنانیری کو صدر سادات کی ہلاکت کے بعد پکڑ دھکڑ کی مہم میں ہی قتل ہوجانا چاہیے تھالیکن ڈائریکٹر اسٹیٹ سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ حسن ابوباشا نے اسے حراست میں لے کر تشددکرکے شہید کیا ۔کمال کو ستمبر 1981ءمیں گرفتارکیا گیا تھااورجب اسی سال صدرسادات کو اکتوبر کے مہینے میں قتل کیا گیا توحکومت نے محسوس کیا کہ حکومت کا سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ ،ملٹری انٹیلی جنس اور انٹیلی جنس کے

دیگر ادارے ملک میں موجود بے چینی کی حرارت ماپنے میں مکمل طور پر ناکام رہے ہیں۔

اسٹیٹ سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کو صدر سادات نے اپنے سیاسی مخالفین اورمذہبی عناصر کو کچلنے میں لگائے رکھا ۔سادات کا خیال تھا کہ ستمبر 1981ءمیں کئے جانے والے آپریشن کے نتیجے میں مصراس کے سیاسی مخالفین اورمذہبی عناصر سے پاک ہوگیا ہے ۔اسی وجہ سے انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ نے "مسلم برادرز" کے خلاف تحقیقات نئے سرے سے شروع کرنے سے پرہیز کیا کیونکہ انہیں یہ احساس جرم ستا رہاتھا کہ پہلے ہی "مسلم برادرز" کے خلاف غلط کاروائی کی گئی ہے۔قبل ازیں کی گئی تحقیقات دوسرے اور تیسرے درجے کی قیادت تک محدود رہیں۔ان میں جو معروف لیڈر تھے ان میں کمال السنانیری بھی تھے ۔حکومت نے مسلم برادرز کے رہنما عمر ال تلمسانی کو بھی حراست میں لے کر سزا دینے پر غور کیا ۔عمر ایک معمر فرد تھے ۔حکومت نے بعد ازاں یہ سوچا کہ وہ تشدد برداشت نہیں کرپائیں گے اور اگر ان کو کچھ ہوگیا تو یہ بات حکومت کے لئے مشکلات کا باعث بنے گی۔

حکومت کے علم میں یہ بھی تھا کہ "مسلم برادرز" کے تمام تر معاملات عمر کے ہاتھ میں نہیں ہیں بلکہ اس میں کمال بھی ملوث ہے جو "مسلم برادرز" کی مصر کی شاخ کا عالمی تنظیم سے رابطے کا ذمہ دار ہے اور رابطے سے متعلقہ امور کی نگرانی بھی کرتا ہے ۔کمال اس مقصد کے لئے بہت زیادہ بیرون ملک سفر کرتا تھا۔اس نے افغان کاز کی حمایت کی اور افغانستان میں جہاد کو واپس لانے اور اس کے رہنماؤں کے آپس میں رابطے کروانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

مسلم برادرز کاایک مخصوص قسم کا تنظیمی ڈھانچہ تھا۔عوام کے سامنے بظاہر عمر اس کے جنرل گائیڈ تھے ۔حکومت اور عوام انہیں ہی "مسلم برادرز" کا

اصل قائد خیال کرتی رہی۔حقیقت میں اس کی اصل لیڈر شپ 'اسپیشل آرڈر گروپ" کے ہاتھ میں تھی جس میں مصطفی مشہود۔ڈاکٹر احمدالملط رحمہ اللہ اور کمال رحمہ اللہ شامل تھے ۔اس ڈھانچے کے بارے میں حکومت کو جب اطلاع ملی تو اسے پورا یقین ہو گیا کہ اگر "مسلم برادرز" کی کوئی خفیہ تنظیم ہے تو اس کے سارے راز کمال کے علم میں ہوں گے ۔

کمال کو گرفتارکرنے کے بعد انتہائی وحشیانہ طریقے سے تفتیش کا آغاز کیا گیا ۔کمال پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کی کہانی مجھے القلعہ جیل میں ڈاکٹر عبدالمنعم اور ابوالفتح نے سنائی ۔یہ دونوں میری میڈیکل اسکول کے زمانے کے دوست تھے ۔جیل میں ہماری بیرکیں آمنے سامنے تھیں ۔انہوں نے مجھے بتایا کہ کمال کو ایک جیل سے دوسری جیل میں منتقل کرتے ہوئے لیمان طرہ جیل میں اس کے بھائیوں سے ملوایا گیا ۔جب اسے عدالت میںپیش کیا گیا تو اس کا جسم جگہ جگہ سے جلا ہوااور سوجا ہوا تھا اور اس پر بہیمانہ تشدد کے واضح نشانات تھے ۔کمال نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ اس پر اتنا تشدد کیا گیا جتنا جمال عبدالناصر کے دور میں بھی نہ کیا گیا ۔کمال نے عدالت کو بتایا کہ اس پر بے انتہاءتشدد کیا گیا ہے ۔

کچھ عرصے بعد عبدالمنعم اور عبدالفتح کو جیل کے ایک سپاہی نے بتایا کہ تشدد کرکے ان کے ایک ساتھی کو ہلاک کردیا گیا۔بعد ازاں انہیں اپنے ذرائع سے پتہ چلا کہ وہ کمال ہی تھا جو اس بہیمانہ تشدد سے ہلاک ہو گیا تھا۔وزات داخلہ نے ایک سرکاری اعلان میں بتلایا کہ کمال نے جیل میں اپنے سیل میں اپنے ازار بند کو گلے میں ڈال کر اسے پانی والے پائپ کے ساتھ کس کر خودکشی کرلی اور مرنے سے پہلے اس نے جیل کی دیوار پر لکھا کہ "میں اپنے بھائیوں کو بچانے کے لئے خود کو قتل کررہا ہوں" کمال کے سیل کے ساتھ بالکل ساتھ والے

سیل کے ایک قیدی نے جو اس تشدد کا چشم دید گواہ تھا مجھے بتایا کہ آخری رات اس پر وحشیانہ تشدد کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں کمال ہلاک ہو گیا۔

ایک عجیب بات یہ تھی کہ "مسلم برادرز" کو اس بات کا علم تھا کہ اسے بے پناہ تشدد کرکے ہلاک کیا گیاتھا لیکن "مسلم برادرز "نے اس کے قتل کا انتقام نہ لیا۔حتیٰ کہ انہوں نے تشدد کے نتیجے میں والی اس موت کے ذمہ دار افراد کے خلاف عدالت میں مقدمہ تک دائر نہ کیا ،حالانکہ اس کے قتل میں ملوث بعض لوگ بڑے معروف تھے اور انہیں عدالت کے کٹہرے میں لاکر سزا دلوائی جاسکتی تھی ۔کمال اپنے قدموں پر چل کر جیل میں داخل ہواتھا اور پھر جیل سے اس کی نعش ہی نکلی ۔جیل کا سپرنٹنڈنٹ ،محکمہ جیل اور وزارت داخلہ اس کے قتل کی ذمہ دارتھی۔اس کی نعش کا پوسٹ مارٹم بھی نہ کروایا گیا اور اسے دفن کرنے کے بعد اس کی خودکشی کی ایک جعلی کہانی گھڑی گئی اور سرکاری میڈیا کے ذریعے لوگوں تک پہنچائی گئی ۔

1980ءمیں جب میں افغان جہاد کے میدان میں پہنچا تو میں نے اس جہاد کی طاقت کو محسوس کیا کہ یہ بہت زبردست ہے اور کس طرح اس سے مسلم قوم کو عام طور پر اور جہاد ی تحریک کو خاص طور پر فائدہ پہنچے گا ۔میں اس میدان جنگ سے فائدہ اٹھانے کی اہمیت کو جان گیا تاہم اپنے پہلے دورے کے چار ماہ بعد واپس چلا گیا۔میں دوبارہ 1981ءمیں واپس آیا اور یہاں مزید دوماہ گزارے ۔میرے گھریلوحالات نے مجبور کرکے مجھے دوبارہ واپس مصر پہنچادیا۔اللہ کی شاید یہی مرضی تھی کہ مجھے تین سال مصری جیل میں گزارنے پڑے۔میری قید 1984ءمیں ختم ہوئی لیکن میں اپنی ذاتی گھریلو

مجبوریوں کی وجہ سے دوسال تک افغان جہاد کے میدان جنگ میں واپس نہ آسکا۔پھر میں 1986ءکے وسط میں افغانستان پہنچ گیا۔

میدان جنگ میں جولوگ سرگرم عمل تھے ان سے رابطوں اور تعلقات کے دوران متعدد ضروری حقائق مجھ پر آشکار ہوئے ،یہاں انہیں بیان کرنا ضروری ہے ۔

اول: ایک جہادی تحریک کو ایسے علاقے کی ضرورت ہوتی ہے جوکہ ایک "انکوبیٹر" کاکام کرسکے ۔جہاں اس کے بیج اگیں اور جہاں لڑائی ،سیاست اور دیگر تنظیمی امور کا عملی تجربہ کیاجاسکے ۔اس لئے برادر ابوعبیدہ البنشیری کہتے تھے :

"افغانستان آنے سے میری عمرمیں سوسال کا اضافہ ہوگیاہے"۔

دوم: افغانستان کے مسلم نوجوان خالص اسلامی نعرے کے تحت مسلم زمین آزاد کرانے کے لئے جنگ کررہے تھے۔یہ ایک بڑی جان دار حقیقت تھی۔چونکہ مسلم دنیا میں جو بہت سی جنگیں لڑی گئی ہیں وہ مختلف نعروں کے تحت لڑی گئیں ۔بعض میں نیشنلزم کو اسلام کے ساتھ ملایا گیا جبکہ بعض میں بائیں بازو اورکمیونسٹ نعروں کو شامل کیا گیا ۔اس سے مسلم نوجوانوں میں یہ احساس پیدا ہواکہ ان کا اسلامی جہاد کا نظریہ خالصتاً اللہ کے دین کی سربلندی کا ہونا چاہیے اور اس دین کے عملی نفاذ کا۔

فلسطینی معاملہ ان ملاوٹ زدہ نعروں اورنظریات کی ایک مثال ہے کہ انہوں نے خود کو شیطان کے ساتھ منسلک کرلیا اور فلسطین کھودیااور ایک ضروری معاملہ وہ حقیقت ہے کہ جو جنگیں غیر مسلم بینر کے تلے لڑی گئیں یا مختلف نظریات کے تحت لڑی گئیں ۔انہوں نے دشمنوں اور دوستوں کے مابین ایک واضح لکیر کھینچ دی ۔مسلم نوجوان اپنے دشمن کے بارے میں بے یقینی کا شکار

ہو گئے کہ کیا غیر ملکی دشمن تھا جس نے مسلم علاقے پر قبضہ کیا یا اپناہم وطن ہی دشمن تھا کہ جس نے اسلامی شریعت سے حکومت پر پابندیاں عائد کیں۔مسلمانوں پر ظلم ڈھائے اور ترقی پسندی،آزادی اور قوم پرستی کے نعروں کے ذریعے بداخلاقی کو فروغ دیا ۔اس صورتحال نے وطن کو تباہی کے دہانے پرلاکھڑاکیا اور غیر ملکی دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالے گئے ۔بالکل اسی طرح کی صورتحال آج کل نیو ورلڈآرڈر کے نعروں کے تحت متعدد عرب ممالک کی ہے ۔

روسیوں کے خلاف جنگ

افغانستان میں صورتحال واضح تھی۔ایک مسلمان قوم اسلام کے جھنڈے تلے جہا د میں مصروف تھی ۔یہ مسلمان قوم ایک ایسے حملہ آورسے مقابلہ کررہی تھی جس کی پشت پناہی ایک مرتد حکومت کررہی تھی ۔افغانستان کا میدان جنگ روس کے انخلاءکے بعد ان قوتوں کے خلاف جہاد کی ایک عملی مثال بن گیا ۔جنہوں نے اسلام دشمن غیر ملکیوں کے ساتھ اتحاد کرلیاتھا۔اس کی ایک واضح مثال نجیب اللہ تھا جسے ہم دیکھ چکے ہیں، وہ نماز پڑھتا، روزے رکھتااور اس نے فریضہ حج بھی ادا کررکھاتھا۔اس کے باوجود اس نے حکومت میں اسلام کے نفاذ پر پابندی لگادی اور اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ اتحاد کرکے انہیں اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی اور پھران کے ساتھ مل کر انتہائی وحشیانہ طریقے سے مسلمانوں اور مجاہدین کو دبایا۔

ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ افغانستان میں جہادی جنگوں نے مسلم نوجوانوں کے ذہن میں سپر پاور کے امیج کونقصان پہنچایا۔مسلم نوجوانوں نے دنیا کی ایک سپر پاور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے ہتھیاروں اور فوج کامقابلہ کیا اور پھر اسے شکست فاش دی۔ان نوجوانوں نے روس کے بھاری توپ خانے کو اپنی آنکھوں سے تباہ ہوتے دیکھا ۔یہ جہاد ایک ٹریننگ کورس ثابت ہوا ۔اس

کی اہمیت یہ تھی کہ اس نے اکیلی رہ جانے والی سپر پاور امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دینے والے مجاہد تیار کرنے تھے ۔

افغانستان کے ٹریننگ کیمپ نے عرب مجاہدین، پاکستانی، ترک ،وسطی اور مشرقی ایشیاء کے مسلمان نوجوانوں کو موقع دیا کہ وہ آپس میں ملیں اور اسلام دشمن کے خلاف جہاد کی تربیت حاصل کریں۔اس طرح مجاہد نوجوان اور جہادی تحریکوں کا آپس میں رابطہ ہوا۔انہوں نے ایک دوسرے سے مہارتیں حاصل کیں اور یہ بھی سیکھا کہ مختلف حالات میں مسائل کو کیسے حل کرنا ہے جبکہ امریکہ نے اس دوران پاکستان اور مجاہدین کے مختلف گروپوں کو مالی امداد اور اسلحہ فراہم کیا جبکہ عرب مجاہدین کا امریکہ کے ساتھ تعلق قطعی مختلف تھا۔ان نوجوان عرب افغانوں کی افغانستان میں موجودگی اوران کی تعداد میںاضافہ دراصل امریکی پالیسی کی ناکامی کو ظاہر کرتا ہے اور یہ امریکی سیاسی حماقت کا ایک معروف ثبوت ہے۔

عرب مجاہدین نے اپنے جہاد کو عطیات تک محدود نہ رکھا بلکہ اسے مسلمانوں کے عطیات بھی دلوائے۔اسامہ بن لادن نے مجھے عربوں کے عطیات کے بارے میں بتایا کہ دس سال میں دوسوبلین ڈالر کے فوجی ساز وسامان کی صورت میں موصول ہوئے۔آپ اندازہ لگائیے کہ عرب ذرائع سے غیر فوجی شعبوں مثلاً ادویات،صحت ،تعلیم، وکیشنل ٹریننگ ،خوراک ،سماجی بہبود (بشمول بچوں ،بیواؤں اور جنگ میں زخمی ہونے والوں کو اپنالینا) کے شعبوں میں کس قدر امداد عرب ذرائع سے آتی ہوگی۔ان عطیات میں وہ خصوصی عطیات بھی شامل کرلیجئے جو کہ عید الفطر ،عیدا لضحیٰ اور رمضان کے مہینے میں خوراک کی صورت میں آتے تھے۔اس غیر سرکاری ذرائع سے حاصل ہونے والے عطیات سے عرب مجاہدین نے ٹریننگ سنٹر قائم کئے۔انہوں نے ایسے محاذ قائم کئے جہاں

ہزاروں عرب مجاہدوں کو تربیت دی گئی ،انہیں مسلح کیا گیا اور انہیں گھر ،سفر کے لئے خرچ اور تنظیمی امور کے لئے بھی عطیات مہیا کئے گئے۔

اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے محافظوں کی تبدیلی

اگر عرب مجاہدین امریکہ کے اجرتی قاتل ہیں اور جس طرح یہ الزام دیاجاتاہے کہ انہوں نے امریکہ کے خلاف بغاوت کی تو امریکہ انہیں دوبارہ کیوں نہیں خرید سکتا؟کیا اب وہ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کو اپنے سروں پر لٹکتی تلوار کی طرح محسوس نہیں کرتے ؟کیاانہیں خریدنا دفاع اور سیکورٹی پر خرچ کی جانے والی رقم سے زیادہ سستا نہیں پڑے گا؟

امریکی حسب عادت مبالغہ آمیزی اور سطحیت سے کام لیتے ہوئے لوگوں کے توہمات فروخت کررہے ہیں اور بنیادی حقائق کو فراموش کررہے ہیں ۔کیایہ ممکن ہے کہ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ افغانستان میں ایک امریکی ایجنٹ ہے ؟جس نے 1987ءمیں اپنی ایک تقریر میں اس ساز وسامان کا بائیکاٹ کا کہا تھا جو امریکہ نے فلسطین میں برسرپیکار انتفادہ کی حمایت کیلئے بھیجاتھا ۔کیا ایسا شخص امریکی ایجنٹ ہوسکتا ہے؟

مجھے یاد ہے کہ ان دنوں اسامہ بن لادن حفظہ اللہ نے پشاور میں کویت کے عطیے سے تیار ہونے والے ہسپتال کے دورے کے موقع پر اپنی تقاریرکے بارے میں ہم سے گفتگو کی تھی ۔مجھے یاد ہے کہ میں نے ان سے کہاتھا کہ آپ اپنی حفاظت کے لئے کئے جانے والے طریقہ کارکو تبدیل کریں۔آپ فوری طور پر اپنے حفاظتی نظام میں تبدیلیاں لائیں کیونکہ اب امریکہ اور یہودیوں کو آپ کا سر چاہیے۔اب کمیونسٹ اور روسی آپ کے دشمن نہیں بلکہ اس سرفہرست میں امریکہ اور

یہودیوں کو بھی شامل کرلیجئے ۔آپ سانپ کے سر کو کچل رہے ہیں اس لئے آپ کو ہوشیار رہنا چاہیے ۔

علاوہ ازیں کیا یہ ممکن ہے کہ عبداللہ عزام شہید امریکہ کا معاون ہو؟جبکہ اس نے نوجوانوں کو کبھی منع نہ کیا جو امریکہ کے خلاف دیگر نوجوانوں کو ترغیب دے رہے تھے اور اس نے ہر ممکن حد تک حماس کی مدد کی ۔کیا یہ ممکن ہے کہ مصر میں جہادی تحریک امریکہ کے تعاون سے چلائی گئی ہو ؟جبکہ خالد الاسلامبولی اور اس کے ساتھیوں نے انورالسادات کو اس وقت قتل کیا جبکہ ابھی عرب مجاہدین کی افغانستان میں آمدشروع نہ ہوئی تھی۔

دراصل امریکہ پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی تھی کہ عرب افغانوں اور افغان مجاہدین نے جو کہ کھرے دل کے مالک تھے ، امریکی اسکیم کو ناکام بنادیا ہے ۔امریکہ اس جنگ کو روس کے خلاف جنگ چاہتاتھا لیکن اللہ تعالیٰ نے عرب مجاہدین کو جہاد کا بھولا ہوا سبق یاددلادیا۔اس وجہ سے امریکہ بوسنیا ہرز گوینیا میں اس خطرے سے خبردار تھا ۔ڈٹین معاہدے کے نفاذ کی اولین شرط یہی تھی کہ تمام عرب مجاہدین کو بوسنیا سے نکال دیاجائے۔افغانستان کے میدان جنگ میں مسلمانوں خاص طور پر عرب مجاہدین کی موجودگی نے افغانستان کو ایک مقامی اور علاقائی مسئلے سے نکال کر اسے ایک عالمی اسلامی مسئلہ بنادیا تھا۔

پاکستان میں مصری سفارت خانے کوکیوں اڑایا گیا؟

پاکستان سے عرب مجاہدین کے انخلاءکے بعد مصر کی حکومت نے پاکستان میںایک شیر کی طرح کا رویہ اختیار کرلیا۔مصری حکومت کی پشت پر امریکہ تھا جس کا پاکستان پر بہت اثر تھا۔قبل ازیں 1950ءکے عشرے سے مصری

حکومت کے پاکستان کے ساتھ تعلقات انتہائی برے تھے کیونکہ مصر کی حکومت مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ہمیشہ بھارت کا ساتھ دیتی تھی۔جمال عبدالناصر کی حکومت کے دنوں میں حکومت کا مسئلہ کشمیر پر موقف یہ تھا کہ یہ بھارت کا اندرونی مسئلہ ہے۔

مصری حکومت نے پاکستان میں عربوں کا تعاقب کیا۔خاص طور پر ان مصری شہریت رکھنے والوں کا جو کہ پاکستان میں تھے ۔صورتحال یہاں تک پہنچ گئی کہ اسلام آباد کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے والے ایک مصری طالب علم کو جو کہ قانونی طور پر پاکستان میں مقیم تھا اورقانونی طور پر طالب علم تھا ،اسے ملک بدر کردیا گیا۔علاوہ ازیں دوایسے مصریوں کو جو پاکستانی لڑکیوں سے شادی کرکے پاکستانی شہریت حاصل کرچکے تھے ،انہیں گرفتار کرلیا گیا۔پاکستانی حکومت امریکہ اور مصرکے سامنے اس حد تک جھک گئی کہ اس نے ان مصریوں کو پاکستانی عدالتوں میں پیش کرنے سے پہلے ہی انہیں مصر کے حوالے کردیا اور اس طرح پاکستانی قانون اور آئین کی توہین کی گئی ۔

مصری حکومت کی مصر میں بنیاد پرستی کے خلاف مہم میں وسعت اب مصر کی حدود سے نکل کر باہربھی پھیل گئی تھی۔اب وقت کا تقاضا تھا کہ مصر کواس کا جواب دیاجائے۔اس وجہ سے ہم نے فیصلہ کیا کہ جواب میں ہمیں ایسے ہدف کو تباہ کرنا چاہیے جس سے اس نفرت انگیز اتحاد کو زک پہنچے ۔کچھ غور وخوض کے بعد ہم نے ایک ٹیم تشکیل دینے کا فیصلہ کیا جوکہ یہ جواب دے ۔اسے ہم نے ہدایت کی یہ وہ درج ذیل اہداف کو نشانہ بنائے۔

اول: پاکستان میں امریکی سفارتخانے کو نشانہ بنایاجائے اوراگر یہ ممکن نہ ہو تو ملک میں امریکہ کے کسی اور ہدف کو تباہ کیا جائے اور اگر یہ بھی ممکن

نہ ہو توپھر مسلمانوں سے تاریخی نفرت رکھنے والے کسی مغربی ملک کے سفارتخانے کو تباہ کیاجائے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو توپھر پاکستان میں مصری سفارت خانے کو تباہ کردیاجائے ۔امریکی سفارت خانے کی تباہی کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلاکہ اس کی سخت نگرانی کی جاتی ہے ،چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ امریکی سفارت خانے کو تباہ کرنا ٹیم کی صلاحیت سے باہر ہے چنانچہ اسلام آباد کے اندرہی ایک اور امریکی ٹارگٹ کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا لیکن کڑی نگرانی کے بعد جائزہ لیا گیا کہ اس سے صرف چند امریکی ہی مریں گے جبکہ زیادہ تر ہلاکتیں پاکستانیوں کی ہوں گی۔

اس دوران جاسوسی کے ذریعے یہ عقدہ بھی کھلا کہ کسی مغربی سفارتخانے کو تباہ کرنا ٹیم کی صلاحتیوں سے باہر ہے تاہم بالآخر یہ حتمی فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان میںمصری سفارت خانے کو تباہ کردیا جائے جو کہ نہ صرف پاکستان میں عرب ،افغانوں کی گرفتاری کی مہم شروع کئے ہوئے ہے بلکہ عرب افغانوں کے خلاف جاسوسی بھی کررہاہے۔بعد ازاں پاکستانی سیکورٹی ایجنسیوں نے سفارت خانے کی تباہی کے بعد ملبے سے سے ایسے کاغذات اپنے قبضے میں لئے جن سے یہ عقدہ کھلا کہ جاسوسی کے شعبے میں مصر اور بھارت ایک دوسرے سے تعاون کررہے تھے ۔

حملے سے قبل ٹیم کو پیغام دیا گیا کہ اگر انہیں مزید رقم دی جائے تو وہ مصر کے سفارتخانے کے ساتھ ساتھ امریکی سفات خانہ بھی تباہ کرسکتے ہیں۔ہم جو دے سکتے تھے دیا تاہم ،مزید رقم نہیں دے سکے جس کی وجہ سے ٹیم نے مصری سفارت خانے کی تباہی پر اپنی توجہ مبذول کئے رکھی اور اسے ایک دھماکے سے اڑا دیا ۔دھماکے نے سفارتخانے کی عمارت کے ملبے کوایک واضح پیغام میں تبدیل کردیاتھا۔

باب نمبر2

ماضی پر ایک نظر

مصر میں جہادی تحریک اس وقت شروع ہوئی جب ناصر کی حکومت نے "مسلم برادر ہڈ"(ایم بی)کے خلاف 1965ءمیں مہم شروع کی۔ایم بی کے تقریباً سترہ ہزار اراکین کو جیلوں میں ڈال دیا گیا اور ایم بی کے نمایاں مفکر سید قطب شہید اور اس کے دوساتھیوں کو تختہ دار پر لٹکادیا دیاگیا اور اس عمل سے قبل حکومت نے سوچاکہ اس نے مصر میں اسلامی تحریک کو ہمیشہ کے لئے کچل دیا ہے لیکن اللہ گواہ ہےکہ یہ واقعات مصر میں جلتی پر تیل پھینکنے کا باعث بنے اور ان واقعات نے حکومت کے خلاف جہادی تحریک کے شعلے کو اور بھی بھڑکادیا۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ

سید قطب رحمہ اللہ کو مکمل یقین تھا کہ اسلام میں مسلمانوں کے اتحاد کا مسئلہ بنیادی اور اہم ہے اور مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے مابین جنگ ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے ۔یہ جنگ دراصل فیصلہ کرتی ہےکہ اصل طاقت اور حکمرانی کس کی ہے؟اللہ کے قوانین کی یا انسان کے بنائے ہوئے قوانین کی۔سید قطب کے اس عقیدے نے اسلامی تحریکوں کو ان کے اصل دشمن پہنچاننے میں مدد دی۔اس نے اس حقیقت کو جاننے میں بھی مدد دی کہ اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے کم خطرناک نہیں اور یہ کہ اندرونی دشمن دراصل ایک بیرونی دشمن کے ہتھیار کے طور پر کام کررہا تھا اور یہ کہ یہ اس کی ایک ڈھال بن گیا تھا اور یہ

ایک پردہ تھا جس کے پیچھے اصل دشمن نے اسلام کے خلاف جنگ کو چھپالیا تھا۔

سید قطب رحمہ اللہ کے گرد جمع ہونے والوں نے حکومت کو اس کی اسلام دشمن حرکتوں سے باز رکھنے کا ایک پروگرام ترتیب دیا ۔گروپ نے یہ پروگرام بنایا کہ حکومت کو احساس دلایاجائے کہ اس کی حرکتیں اسلام کے خلاف ہیں ۔حکومتی پالیسیاں اللہ کی شریعت کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ ہیں ۔اس گروپ کا پروگرام انتہائی سادہ تھا۔ ان کا یہ پروگرام ہرگز نہ تھا کہ حکومت کو نکال باہر کیا جائے اور قیادت کا ایک خلاءتشکیل دیا جائے بلکہ ان کا پروگرام یہ تھا کہ حکومتی اقدامات کے خلاف مزاحمت کی جائے ،اس سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کی جائیں ،مدافعانہ حکمت عملی اختیار کی جائے اور اگر مسلمانوں کو دبانے کے لئے کوئی مہم چلے تو اس کے خلاف مزاحمت کی جائے ۔

اس گروپ کے پلان کے پیچھے ایک عظیم نظریہ تھا ،گوکہ اس گروپ کی طاقت اورتعداد کم تھی ۔لیکن نظریہ چھوٹا نہ تھا ۔نظریہ یہ تھاکہ اسلامی تحریک اپنی طاقت اور صلاحیت کے ساتھ اس حکومت کے خلاف ایک جنگ کا آغاز کرچکی ہے کیونکہ موجودہ حکومت اسلام کے خلاف ہے اگرچہ حکومت نے سید قطب کے گروپ کے افراد کو حراست میں لے لیا ،انہیں ہراساں کیا گیا ،انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا لیکن حکومت سید قطب کے گروپ کو مسلم نوجوانوں میں پھیلنے سے نہ روک سکی ۔سید قطب اپنے اللہ کے وفادار تھے اور اللہ کو ہی سپریم طاقت خیال کرتے تھے ۔یہ تحریک ایک ایسی چنگاری تھی جس نے اسلامی تحریک کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو باآور کرادیا تھا کہ یہ چنگاری ایک دن کسی اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔اس انقلاب کے خونی باب ایک ایک کرکے لکھے جاتے رہے اور اس انقلاب کا نظریہ اور بھی

راسخ ہوتا چلا گیا۔پروفیسر سید قطبؒ نے بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں مصر کے نوجوانوں کو خاص طور پر اور خطے کے عرب نوجوانوں کو عام طور پر سیدھے راستے پر لانے میں اہم کردار ادا کیا ۔

سید قطبؒ کی سزائے موت کے بعد ان کی تعلیمات نے مصرمیں نوجوانوں کو جتنا متاثر کیا اتنا اثر کسی اور مسلم اسکالر کی تعلیمات کاکبھی نہیں ہوا۔وہ الفاظ جو سید قطبؒ نے اپنے خون سے تحریر کئے تھے وہ مسلم نوجوانوں کے لئے ایک شاندار منزل کے نشانِ راہ بن گئے اور مسلم نوجوانوں کو یہ احساس ہواکہ ناصر کی حکومت اور اس کے کمیونسٹ ساتھی سید قطبؒ کے اتحاد کے پیغام سے کتنا خائف تھے۔

سید قطبؒ وفاداری اور انصاف کے ساتھ لگاؤ کی ایک بھرپور مثال بن گئے۔اس نے ظالم حکمران جمال عبدالناصرکے سامنے سچ بولا اور پھر اس کے عوض اپنی جان قربان کردی۔اس کے الفاظ اور قیمتی ہوگئے جب اس نے جمال عبدالناصر سے معافی مانگنے سے انکارکردیا ۔

سید قطبؒ نے کہا ”وہ شہادت کی انگلی جو ہر نماز میں اللہ کی وحدت کا اعلان کرتی ہے ایک ظالم حکمران سے معافی مانگنے کا انکار کرتی ہے “۔ناصر کی حکومت نے محسوس کیا کہ سید قطبؒ اور اس کے ساتھیوں کی سزائے موت اور ہزاروں ساتھیوں کی حراست اور قید سے اسلامی تحریک کچلی گئی ہے لیکن ان کی شہادت نے اسلامی جہادی تحریکوں کے جو بیج بوئے تھے اس نے مصر میں جدید اسلامی جہادی تحریک کے پودے کو پروان چڑھایا۔

ظالم حکمران جس نے اپنی تقاریر میں اپنے دشمنوں کو ڈرایا دھمکایا بالآخر ایک عزت بچانے والے حل کی جانب چل پڑا۔جمال عبدالناصر کی وفات کے بعد

حکومت کو ایک زبردست دھچکا لگا حالانکہ تین سال قبل ہی اسے اپنی شکست کے واضح آثار نظر آنا شروع ہو گئے تھے ۔ناصر کی موت کے بعد عرب نیشنلزم کے رہنماءکا نظریہ بھی اس کی موت کے ساتھ ہی چلا گیا۔عبدالناصر کی موت ایک فرد کی موت نہ تھی بلکہ یہ اس کے اصولوں کی موت تھی جو کہ عملی میدان میں ناکام ہو گئے تھے۔اس کے بعد ایک اور حکمران آیا جس نے اپنی باری لی اور نئے واہمے فروخت کرنے شروع کردیئے۔کچھ سالوں کے بعد عام مصریوں کے لئے جمال عبدالناصر کانام ایک ایسی چیز بن گیا جس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ۔

سادات دور میں بنیاد پرستی کا پھیلاؤ

انور السادات کاطاقت کا مفروضہ مصر میں ایک نئی سیاسی تبدیلی کا باعث خیمہ ثابت ہوا۔ہر تبدیلی کی طرح یہ تبدیلی بھی آغاز میں کمزور تھی لیکن آہستہ آہستہ یہ مضبوط ہوتی چلی گئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے نقوش واضح ہوتے چلے گئے۔سادات نے پرانی حکومت کے حمایتیوں کو آہستہ آہستہ نکالنا شروع کردیا۔ان حمایتیوں کو نکالنے کے لئے اس کے پاس سب سے کارگر ہتھیار اس کی اجازت تھی جو اس نے ایسے افراد کو کچلنے کے لئے د ے رکھی تھی ۔جیسے ہی اسلامی تحریک پر سے تھوڑا سا دباؤ کم کیا گیا ،اسلامی تحریک کا جن بوتل سے باہر نکل آیااور اس نے دوبارہ لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنا شروع کردیا ۔چند ہی سالوں بعد یونیورسٹیوں اور کالجوں میں مسلم نوجوانوں نے اسٹودنٹس یونین کے انتخابات میں زیادہ تر نشستیں جیت لیں۔اب اسلامی تحریک نے ٹریڈ یونینز کو کنٹرول کرنے کے لئے آگے بڑھناشروع کیا کردیاتھا۔اسلامی تحریک کی نشوونما کے ایک نئے مرحلے کا آغاز ہو گیا

تھا لیکن اس مرتبہ ماضی کو نہیں دہرایا گیا حالانکہ اسلامی تحریک اسی بنیاد پر تعمیر کی گئی۔سابقہ تجربوں اور واقعات سے سبق سیکھا گیا۔

اسلامی تحریک نے اپنی نشوونما نوجوانوں میں پھیلاؤ اور گہری بیداری کے دور میں داخل ہونے کا آغاز کردیا تھا اور تحریک کو یہ بھی ادراک تھا کہ اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے کم خطرناک نہیں ہے ۔یہ شعور تاریخی حقائق اور عملی تجربات کی وجہ سے پھلا پھولا۔کچھ پرانی نشانیاں ابھی بھی ان خیالات سے چمٹی ہوئی ہیں کہ لڑائی صرف بیرونی دشمن سے کی جائے اور یہ اسلامی تحریک اور حکومتیں آپس میں متصادم نہیں ہیں تاہم نئی بیداری اپنے عملی تجربے کی وجہ سے ان تمام ابہام سے پاک تھی ۔

ملٹری ٹیکنیکل کالج کامعاملہ

ملٹری ٹیکنیکل کالج گروپ صالح سریہ کی مصر آمد کے ساتھ ہی تشکیل پانے لگا ،جب صالح نے ایم بی کے بڑے لیڈروں سے تعلقات بنانے کا آغاز کیا ،جیسا کہ مسز زینب الغزالی اور حسن الہضیبی، جنہوں نے نوجوان لوگوں کا ایک گروپ بنایا اور جسے تبلیغ کی جاتی تھی کہ وہ برسراقتدار حکومت کی مخالفت کریں۔ صالح ایک جادوئی طاقت رکھنے والاخطیب اور اعلیٰ پائے کا دانشور تھا جس نےعین شمس یونیورسٹی قاہری سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی تھی ،وہ شریعت کی سائنس کو بخوبی سمجھتا تھا ۔ایک دفعہ وہ ایک اسلامی جمبوری میں ساریہ سے ملا،ان کی یہ ملاقات کالج آف میڈیسن میں ہوئی تھی۔ساریہ کو کالج کی جمبوری میں تقریرکے لئے دعوت دی گئی تھی ،جب میں نے اس کی تقریر سنی تومجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کے الفاظ میں بڑا وزن ہے اور اس کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی حمایت کی جائے ۔میں نے اس سے ملنے کافیصلہ کیا لیکن میری تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔

ساریہ کاقائم کردہ گروپ بڑھا اور اس قابل ہو گیا کہ یہ ملٹری ٹیکنیکل کالج کے طلباءکو اپنے میں شامل کرسکے نوجوانوں نے ساریہ پر حکومت کے خلاف مزاحمت کرنے کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کیا ۔اس دباؤ کے تحت وہ حکومت کو نکال پھینکنے کی ایک کوشش پر رضامند ہو گیا۔ایک منصوبہ تشکیل دیا گیا جس کے تحت گروپ کے ارکان کالج کے گیٹ پر کھڑے پولیس کے گارڈپرحاوی ہوجائیں گے اور پھرکالج کے اندر داخل ہوجائیں گے اورکالج کے اندر پولیس کی گاڑیاں اور اسلحہ چھپادیں گے اور اس عمل کے لئے کالج میں چوکیدار کے بھیس میں پھرنے والے اپنے ہی ساتھیوں کی مدد لی جائے گی پھر عرب سوشلسٹ یونین ہیڈ کوارٹر کی جانب بڑھاجائے گا تاکہ سادات اور اس کی حکومت کے افسران پر حملہ کیا جاسکے جو اس وقت اجلاس میں مصروف ہوں گے ۔

بغاوت کی یہ کوشش شدیدناکامی سے دوچار ہوئی کیونکہ اسے تیار کرتے وقت متعددزمینی حقائق کو سامنے نہیں رکھا گیا تھا،جس گروپ نے کالج گیٹ پر حملہ کیا وہ غیر تربیت یافتہ تھا۔اس منصوبے پر عملدرآمد کے وقت اور بھی بہت سی مشکلات کا سامناکرنا پڑا لیکن وہ بات جس کی جانب میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جمال عبدالناصر کے بعد اب یہ تحریک اس طرح کی نہیں تھی کہ اسے گمنامی کے اندھیرے میں پھینک دیا جائے،یہ ایک بڑی تحریک بن چکی تھی۔اس تحریک نے 1967ءکی شکست کے بعد ایک نئی نسل کو جنم دیا۔یہ نسل جہاد کے میدان میں واپس آگئی ۔ان کے ہاتھوں میں حکمرانوں کے خلاف ہتھیار تھے ۔حکمران۔۔۔جو کہ امریکی غلام تھے اور جو اسلام سے عناد رکھتے تھے ۔

صالح سریه

اگرچہ اس آپریشن کا آغاز میں ہی ختم کردیا گیا لیکن اس نے نئی تبدیلی کی راہ دکھائی۔قبل ازیں اسلامی تحریک نے ناصر کے ظالمانہ اقدامات کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔زیرحراست گروپ کو عدالت تک لے جایا گیا اور صالح سریہ ،کریم الاناضولی ،طلا ل الانصاری کو سزائے موت سنائی گئی ۔حکومت نے ان تینوں سے کہا کہ وہ ملک کے صدر سے رحم کی اپیل کریں ۔کریم اناضولی نے معافی کی درخواست دائر کی چنانچہ اس کی سزائے موت ،عمر قید میںتبدیل کردی گئی جبکہ صالح اور طلال نے معافی کی درخواست دینے سے انکار کردیا ۔

ایک روز جیل کے احاطے میں قیدی صالح کے اردگرد جمع ہوئے اور اسے مجبور کرنے لگے کہ وہ معافی کی درخواست کردے تاکہ اس کی جان بخشی کردی جائے۔صالح نے قیدیوں سے کہا:"سادات کے پاس میری زندگی بڑھانے کی کون سی طاقت ہے؟اس اندھیری جیل کو دیکھو ،اس کی ناقص خوراک کو دیکھو اور ا س کی بند لیٹرینوں کو دیکھو جس میں ہم یہ کھانا پھینک دیتے ہیں۔یہ اصل زندگی ہے ۔ہم اس سے کیوں چمٹے رہیں "؟

صالح کو پھانسی دینے سے قبل جب آخری ملاقات کے لئے اس کی بیوی بچوں کے ہمراہ موت کی کوٹھری میں اس سے ملاقات کرنے آئی تو صالح نے اس سے کہا کہ اگر اس نے معافی کی درخواست دی تو اسے طلاق دے دی جائے گی ۔سزائے موت کے روز جیل کے عملے گارڈ ز اور حکومتی سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کے عملے کے لوگ طلال انصاری کی کوٹھی میں داخل ہوئے تاکہ اسے باندھ کر تختہ دار تک لے جائیں ۔طلال نے ان سے کہا ٹھہرو !مجھے اپنے اللہ کے سامنے دومرتبہ سجدہ کرنے دو"۔اس پرایک سیکورٹی افسر نے کہا کہ "جس کے پاس جارہے ہووہیں جاکر سجدہ بھی کرلینا"اس پر دو قیدیوں عدیل

فارس اور صلاح فارس نے اس افسر کو پکڑ کر مارنا شروع کردیا اور اس کی ایک آنکھ پھوڑدی ۔عدیل اور صلاح کو ملک بدر کردیا گیا ۔عدیل افغانستان چلا گیا ،جہاں وہ شمالی افغانستان میں ایک معرکے میں لڑتا ہوا مارا گیا۔

الجہاد آرگنائزیشن کا احیاء

ٹیکنیکل ملٹری کالج کے مقدمے میں گرفتار ہونے والوں نے جیل سے رہائی کے بعد تحریک کو دوبارہ منظم کرنے کی کوشش کی ۔پہلی کوشش 1977ءمیں اس وقت ناکامی سے دوچار ہوئی جب حکومت نے تمام گروپ کو گرفتار کرلیا ۔گروپ نے دوسری کوشش 1979ءمیں کی لیکن ان کی صفوں میں موجود ایک مخبر نے حکومت کو خبر کردی چنانچہ گروپ کے بچے کچھے ارکان کو 1979ءمیں دوسری مرتبہ گرفتار کرلیا گیا۔گرفتار ہونے والوں میں "الفریضہ الغائبہ"کتاب کے مصنف محمد عبدالسلام فرج بھی شامل تھے۔فرج کی سرگرمیاں شمال مصر ،الجزاہ اور قاہرہ تک محدود تھیں۔

جو نوجوان مصر کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کررہے تھے انہوں نے شیخ عمر عبدالرحمن کا نام سنا وہ انہیں مختلف لیکچرز ،جمہوری کانفرنسوں میں بلانے لگے۔یونیورسٹیوں میں اپنا اثر قائم کرکے انہیں قابوکرنے کے بعد نوجوانوں نے یونیورسٹیوں کے باہر کے حالات پر توجہ دی اور عام لوگوں کو حالات سے باخبر کرکے اپنے ساتھ ملانے کا آغاز کیا۔ان سب کی سب سے اہم سرگرمی اسرائیل سے امن مذاکرات اور شاہ ایران کی مصری حکومت کی جانب سے میزبانی کے خلاف احتجاجی جلسے جلوس منعقد کرنا تھی ۔

محمد بن عبدالسلام فرج اور اس کے ساتھی جنوبی مصر میں نوجوانوں سے ملے ۔ان دوگروپوں کوملاکر ایک گروپ "الجماعة الاسلامیہ"تشکیل دیا گیا۔اس کی

قیادت عمر عبدالرحمن نے سنبھالی جو آج کل امریکی ریاست منی سوٹا کی راکسٹر جیل میں عمر قید کی سزا بھگت رہے ہیں۔ان پر الزام ہے کہ یہ 1993ءمیں نیویارک میںبموں کے حملے کے واقعے میں ملوث ہیں ۔



باب نمبر3

سادات کاقتل اس منصوبے کاحصہ تھا جس میں تمام اعلیٰ حکومتی عہدیداروں کو قتل کرکے ریڈیوکی عمارت پر قبضہ کرنا شامل تھا ۔پروگرام اس طرح ترتیب دیا گیا تھاکہ سب سے پہلے مرحلے میں چھ اکتوبر کو جب صدر سادات فوجی پریڈ کی سلامی لے رہے ہوں تو انہیں اعلیٰ حکومتی شخصیات کے سامنے قتل کردیاجائے۔اعلیٰ سرکاری افسروں کے بڑے پیمانے پر قتل کے بعد قاہرہ ریڈیو کی عمارت پر قبضہ کرلیا جائے۔اس منصوبے کا ابتدائی مرحلہ جو سادات کے قتل پر مشتمل تھا پورا ہوگیا لیکن زیادہ تر سرکاری حکام فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اور ریڈیو کی عمارت پر بھی قبضہ نہ ہوسکا۔

اس منصوبے کا دوسرا محاذ آسی یوٹ شہرمیں مسلح بغاوت برپاکرکے شہر کا محاصرہ کرنا شامل تھا۔یہ مسلح بغاوت سادات کے قتل کے دو روز بعد شروع ہوئی ۔دوسرے الفاظ میں یہ اس وقت شروع ہوئی جب مسلح افواج ملک پر کنٹرول کرنے اور حکومت کو بچانے میں کامیاب ہوچکی تھیں۔یہ بغاوت اس حد تک کامیاب ہوئی کہ محض چند تھانوں پر قبضہ کرلیا گیا لیکن حکومت کے خصوصی دستوں نے نوجوان مجاہدین پر گولہ بارود سے حملہ کردیا جس پر مجاہدین کو اسلحہ چھوڑکر ان تھانوں کو خالی کرناپڑا۔

آسی یوٹ شہر میں مسلح بغاوت کی قسمت میں ناکامی لکھ دی گئی تھی ۔یہ ایک جذباتی بغاوت تھی جسے اچھے طریقے سے تریب نہ دیا گیاتھا۔سادات کے قتل کے دوروز بعد برپا کی جانے والی بغاوت ایک غیر حقیقی منصوبے پر مشتمل تھی ۔اس میں دشمن کی طاقت اور اس کے اسلحے کا غلط اندازہ لگایا گیا

تھا۔اس طرح یہ بغاوت سادات کے قتل کامرکزی مقصد حاصل کرنے کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہوئی ۔اس بغاوت کو اس کے مابعد اثرات کے حوالے سے جانچنا بہت ضروری ہے۔بغاوت نے بہت سے حقائق کو ثابت کیا ۔

اول: یہ واقعہ بنیاد پرستوں کے حوصلے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنے سے زیادہ بڑی طاقتور اور مسلح فوج سے ٹکرا گئے۔

دوم: یہ واقعہ اس تحریک کی جارحانہ نوعیت کو ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے صدر اور اس کے حواریوں کو ایک بڑے اجتماع کے سامنے قتل کرنے کامنصوبہ بنایا۔

سوم: اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی حکومت جو غیر اسلامی ہو،اسے زبردستی تبدیل کردو ،یہ اس تحریک کا مرکزی نقطہ بن گیا۔

چہارم:اس حملے نے ثابت کردیا کہ اسلام کے دشمن وائٹ ہا ؤس میں ہوں یا تل ابیب میں یا پھر مصر میں ،انہیں اسلام پسندوں کے خلاف ہرسہم کے جواب کی توقع رکھنی چاہیے۔

پنجم: اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امن وامان کو قائم کرنے والے ادارے مکمل طور پر ناکام ہیں اورانہیں ملک میں موجود جہادی لہر کے بارے میںکچھ علم نہیں۔یہ لہر اس حد تک موثر تھی کہ کچھ لوگ مسلح افواج میںگھس گئے اور انتہائی سخت حفاظتی انتظام کے باوجود انہوں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔

میں کہتا ہوں کہ 1981ءمیں بغاوت کرنے والے نوجوان خالص تھے، وہ ہوشیار تھے۔انہوں نے اپنے مذہب، عقیدے ،قوم اور وطن کی حفاظت میں ہتھیار

اٹھائے۔ٹیکنیکل ملٹری کالج کا آپریشن اپنی نوعیت کا واحد آپریشن نہ تھا۔اس آپریشن کے کچھ عرصے بعد یحییٰ ہاشم نے المینیا کے پہاڑوں میں گوریلاجنگ شروع کردیا۔اگرچہ یہ کوشش کامیا ب نہ ہوئی کیونکہ اس گوریلاجنگ کے لئے جو ضروری لوازمات تھے انہیں پورانہ کیاگیا تھالیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم آئیڈیالوجی میں تبدیلی ایک ٹھوس حقیقت بن چکی تھی۔یہ حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ آج کے مسلم نوجوان 1940ءمیں اپنے آباؤاجداد سے مختلف تھے ۔

مصر میں یحییٰ ہاشم جہاد کابانی تھا ۔اللہ نے اسے بلند ارادوں اور آہنی عزم سے نوازاتھا۔اس کی ایک اعلیٰ خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے یقین کے ساتھ ڈٹ جاتا تھا،وہ ۔۔۔اللہ اس پر رحمت نازل کرے ایک خالص انسان تھا،اس کا دل مسلم بھائیوں کے دکھ پر تڑپتاتھا۔یحییٰ بنے ہمارے گروپ میں کس طرح شمولیت اختیار کی؟یہ ایک انوکھی داستان ہے۔اس وقت ملک میں طلباءیونینوں کی سورشیں برپا تھیں۔ہم نے یونیورسٹی کے طالب علموں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے ایک مظاہرے کا اہتمام کیا۔یہ احتجاجی مظاہرہ امام الحسین رضی اللہ عنہ مسجد سے شروع ہوکر الازہر اسٹریٹ تک جانا تھا اور پھر اس نے قاہرہ کے مرکز تک پہنچنا تھا۔

جمعہ کی نماز کے دوران ہم مسجدامام الحسین رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔گروپ کے تمام لوگ مسجد کے چاروں کونوں میں پھیل گئے ۔نماز کے بعد یحییٰ ہاشم کھڑے ہوئے اور لوگوں سے خطاب کرنے لگے اور مسلم قوم کو پہنچے والے صدمے کی وضاحت کرنے لگے ۔ہم نے "اللہ اکبر"کے نعروں سے اس کے خطاب کوگرمادیالیکن جاسوس اس صورتحال کی تناؤ سے نپٹنے کے لئے تیار تھے ۔جاسوسوں نے اسے گھیر لیا اور مسجد سے باہر نکالنے کے لئے دھکیلنا شروع کردیا۔لوگ اس نوجوان کی جراءت

پر حیران تھے لیکن یحییٰ نے اس تنگ گھیرے کے دوران بھی چلاچلا کر اپنی تقریر جاری رکھی۔جب اسے گھیر کر مسجد سے نکالا گیا تب بھی وہ تقریر کررہاتھا۔ایک ایجنٹ نے یحییٰ کو خاموش کرانے کے لئے ایک داؤ کھیلا،اس نے اس کی گردن پکڑ لی اور زور زور سے چلانے لگا کہ تم ایک چورہو ،تم نے میرا پرس اڑالیا۔اس کے بعد باقی ساتھی بھی زور زور سے چلانے لگے اور دھکیلتے ہوئے ایک میڈیکل اسٹور میں لے گئے جہاں اسے گھسیٹتے ہوئے ایک کار میں ڈالا گیا اور اسے جنرل انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر حسن طلال کے سامنے پیش کردیا گیا۔

ناصر کی حکومت پریشان اور کمزورتھی،اس کے سیکورٹی ڈیپارٹمنٹ کوپتہ علم نہ تھا کہ اس قسم کی صورتحال میں کیا کرناچاہیے۔وہ دوانتہاؤں کے درمیان پھنسے ہوئے تھے۔ایک طرف بدعنوان حکومت تھی جبکہ دوسری طرف مزاحمت کاایک بے مثال منظرنامہ تھا۔یحییٰ نے ہمیں اس انٹرویو کے بارے میں بتایا جو حسن طلال کے دفترمیں اس سے لیا گیا۔اس نے یہ بھی بتایا کہ حکومت اس وقت دوہرے تذبذب میں پھنسی ہوئی ہے ۔ملک ایک آتش فشاں کے مانند دھک رہا ہے حسن طلال نے یحییٰ کے سامنے خود اپنا دفاع کرنا شروع کردیا کہ وہ ایک مسلمان ہے اور اسلام کی حفاظت کررہا ہے لیکن یحییٰ نے ایک شیر کی طرح اس پرحملہ کیا اور اس کے دعوے کو جھٹلادیا۔حسن طلال کے دفتر میں ”اللہ“کے الفاظ پر مشتمل ایک فریم آویزاں تھا ۔یحییٰ نے چیختے ہوئے کہا کہ جب تم اللہ کوجانتے نہیں ہوپھر تم نے یہ فریم کیوں لٹکارکھا ہے ؟حکومت نے نہ چاہتے ہوئے بھی یحییٰ کو رہاکردیا۔

امام الحسین رضی اللہ عنہ مسجد کا واقعہ دراصل ایک جذباتی ابال تھا جو کہ ہماری عمروں کے مطابق ایک رد عمل تھا۔یحییٰ ہاشم متعدد ایم بی رہنماؤں سے ملا

،اس نے فوج کے ساتھ ٹکر لینے کی ٹھانی اور مجھ سے بھی مشورہ کیا۔میں نے کہا کہ موجودہ صورتحال میں یہ مناسب نہیں۔یحییٰ نے خود کو اپنے گروپ کے ساتھ پہاڑوں میں چھپالیا اور اپنے منصوبے کے مطابق گوریلاجنگ کا آغازکردیا ۔انہوں نے کچھ ہتھیارجمع کئے اور المنیا صوبے کے کنارے واقع پہاڑ پر پوزیشنیں سنبھال لیکن ساتھ والے گاؤں کے ایک مئیر نے اس گروپ کومشکوک حرکتیں دیکھا اور اس نے پولیس کو مطلع کردیا جس نے اس گروپ پر حملہ کیا اور گرفتار کرلیا ۔یحییٰ نے یونٹ کمانڈر پر حملے کی کوشش کی ،اس نے یحییٰ پر فائرنگ کردی جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔یہ ہے یحییٰ کی کہانی جو اصل میں جہاد کابانی تھااور جس نے اپنے نظریات کی سچائی کے لئے ہر چیز قربان کردی۔

کسی بھی کمپنی کا مالک اخبار کو پیسے دے کر یہ اشتہار شائع کرواسکتاہے کہ فلاں قانون منسوخ کیاجائے ۔کوئی اداکار بھی اس طرح کا مطالبہ کرسکتا ہے کہ فلاں قانون چونکہ اس کی اداکاری کی آزادی کے خلاف ہے چنانچہ اسے منسوخ کیا جائے ایک ادیب بھی شریعت کے نام پر نافذ قوانین پر تنقید کرسکتا ہے۔ایک صحافی بھی حکومت کے قوانین پر نہ صرف تنقید کرسکتا ہے بلکہ ان کی منسوخی کا مطالبہ کرسکتاہے ۔جو شخص قانون کے بارے میں کوئی بات نہیں کرسکتا وہ امام مسجد (مبلغ) ہے کیونکہ پینل کوڈ کا 201آرٹیکل کہتا ہے کہ ”عبادت گاہ میں کوئی بھی شخص ،حتیٰ کہ وہ امام ہی کیوں نہ ہو اور خطبہ ہی کیوں نہ دے رہا ہو،وہ انتظامیہ کے بارے میں اور موجودہ قوانین کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا اور اگرکوئی اس قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے سزائے قید کے ساتھ پانچ سو پاؤنڈ جرمانہ بھی کیاجائے گا۔اگر وہ اس کی مزاحمت کرتا ہے توجرمانہ اور قید کی سزا دوہری جائے گی۔

جولوگ مصر میں ٹریڈ یونین بنانا چاہتے ہیں ان کی اجازت نہیں دی جاتی ،حالانکہ یہ انسانی حقوق کے زمرے میں ایک ایساحق ہے کہ جس طرح آپ ایک بیلے ڈانسر کو اجازت دیتے ہیں لیکن دینی مبلغ اور اسکالرز اس حق سے محروم ہیں ۔انور سادات کے قتل کے ساتھ ہی مصر اور عرب دنیا میں جہاد کے مسئلے پر روزانہ بحث وتمحیص ہونے لگی۔حکومت جو کہ امریکہ اور اسرائیل کے حق میں تھی اس کے ساتھ ایسی مخاصمت شروع ہوئی جو آج تک جاری ہے۔اور جہادی سرگرمیاں روزبروز بڑھ رہی ہیں۔احتجاجی مظاہروں میں شرکاءکی تعداد میں بھی اضافہ ہورہا ہے جو کہ واشنگٹن اور تل ابیب میں بیٹھے دشمنوں کے لئے ایک مسلسل خطرہ ہے۔

امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ دشمنی مسلم نوجوانوں کے دل میں بس چکی ہے ،یہی وہ دشمنی ہے جس کی وجہ سے القاعدہ اور افغان جہاد میں عرب افغان ڈھڑا دھڑ شامل ہورہے ہیں اور یہ بہاؤ ٹوٹ نہیں رہا۔انورسادات کا قتل دراصل امریکہ اور اسرائیل کے منہ پر ایک زور دار تھپڑ تھا۔

انورسادات کے قتل کے بعد حکومت نے وسیع پیمانے پر پکڑدھکڑکی اور تقریباً ساٹھ ہزار افرادکو گرفتار کرکے جیلوں میں ڈال دیا ۔کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا کہ ان افراد سے رابطہ کیا جاسکے ۔سیکورٹی کی سختیوں کی وجہ سے یہ لوگ عام شہریوں کی نظروں سے دور چلے گئے تھے ،ان سے رابطہ قریب قریب ناممکن تھا۔اس واقعہ کی تحقیقات کیلئے فوجی سربراہ نے اپنی ذمہ داریوں سے صرفِ نظرکیا ۔وہ صرف ایک مرتبہ انورسادات کے قتل کے مقام پر گیا،حالانکہ جو قتل ہوا تھا وہ ملٹری کا سربراہ تھا اور فوجی گراؤنڈ میں فوجی پریڈ کے دوران قتل ہوا تھا لیکن ملٹری کا سربراہ اندازہ لگاتارہا کہ کس کو پکڑنا ہے؟ کس سے تفتیش کرنی ہے؟اور کس کے خلاف مقدمہ چلانا ہے۔انوسٹی گیشن کرنے والے

ملٹری کے سربراہ نے انتہائی سرعت کے ساتھ مدعا علیہان کے مقدمے کو فوجی عدالت کے سپرد کردیا ۔یہ فوجی عدالت میجر جنرل محمد سمیر فاضل کی سربراہی میں قائم کی گئی تھی ۔

مصری فوج کاایک اورمزاحیہ تماشا یہ ہے کہ اس نے اپنے اصل دشمن اسرائیل کو فراموش کردیا اور اپنے ہی لوگوں پر،انہیں اپنا دشمن سمجھتے ہوئے ہتھیار اٹھالئے ۔ملٹری سیکولرازم کا ہمیشہ سے یہ دعویٰ ہے کہ یہ اسلام کا احترام کرتی ہے لیکن ان کا احترام صرف یہاں تک ہے کہ یہ دینی اسکالرز کو مشاہرے (تنخواہ)پر رکھ لیتی ہے جو کہ ان کے ہر عمل کو جائز ثابت کرتے رہتے ہیں ۔

باب نمبر4

مصر کی سیکورٹی ایجنسیوں نے ایک اور جہادی گروپ کا سراغ لگایا۔یہ "عصام القمری گروپ"تھا۔عصام القمری ایک بے مثال انسان تھا جسے اس کے کام کا اور جہادی سرگرمیوں کا کچھ زیادہ صلہ نہ دیا گیا کیونکہ ہمارے ملک میں ذرائع ابلاغ اور صحافت ان لوگوں کے قبضے میں ہے جو کہ اسلام اور اسلامی تحریکوں کو زیادہ پسند نہیں کرتے ۔اسی طرح چھپنے والی تمام چیزیں ان کے کنٹرول میں ہیں۔یہ دراصل مغرب اور یہودیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں جہاں میڈیا اور پراپیگنڈہ کے تمام ذرائع ان کے قبضے میں ہوتے ہیں۔عصام القمری ایک سنجیدہ انسان تھا۔اوائل شباب میں ہی اس نے اسلام کے مسئلے کو سنجیدگی سے لیا تھا ۔اس نے حکمران طبقے میں تبدیلی کے لئے ملٹری کالج میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔یہ اس کا احساس جرم ہی تھا کہ اس نے جب سکینڈری اسکول کی تعلیم ختم کی تو اس نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ ایک دن اس نے ملٹری کالج میں داخلے کے بعد اپنے والد سے کہا کہ "کیا آپ کے علم میں ہے کہ میں نے ملٹری کالج میں داخلہ کیوں لیا؟"اس کے والد نے کہا "نہیں!میں نہیں جانتا"۔عصام القمری نے کہا"اس لئے کہ میں مصر میں ایک فوجی بغاوت برپاکرسکوں "۔اس کے والد کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا لیکن وہ اس ضمن میں کچھ نہ کرسکتا تھا کیونکہ القمری قبل ازیں ملٹری کالج میں داخل ہوچکا تھا۔

عصام القمری نے گریجویشن میں اتنے شاندار نمبر حاصل کئے تھے کہ وہ کسی میڈیکل یا انجینئرنگ کالج میں آسانی سے داخل ہوسکتا تھا جیسا کہ آج کل بھی نوجوان یہی کرتے ہیں ۔ان کی پہلی ترجیح میڈیکل اور دوسری انجینئرنگ ہوتی ہے لیکن اسلام نے اس کا رویہ تبدیل کردیا تھا۔

ملٹری کالج میں عصام کی ملاقات محمدمصطفی علیوۃسے ہوئی جو کہ الجہاد گروپ کا ایک سرگرم کارکن تھا ۔القمری نے مصطفی کے جہاد گروپ میں شمولیت اختیار کرلی ۔اس القمری باقاعدہ ایک جہادی گروپ میں شامل ہو گیا ۔اس وقت سے لے کر آج تک القمری نے زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہو گاجو اس نے فارغ گزاراہو۔وہ ہر وقت جہادی تحریک کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا اور سوچتا رہتا۔القمری نے اپنے دین کی سربلندی کے لئے کوئی کسر نہ اٹھارکھی۔

وہ درست معنوں میں ایک انتہائی اعلیٰ کردار کاحامل شخص تھا۔اس نے اپنی زندگی میں سختیوں اور تکالیف کا اپنے کردار کی وجہ سے ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ملٹری کالج کی تعلیم سے فارغ ہوکر القمری نے ملٹری کور میں شمولیت اختیار کرلی ۔ملٹری کور میں شامل ہونا اس کاایک دیرینہ خواب تھا ۔وہ ہمیں بتاتا کہ اس کور کو ایک مسلم کور ہونا چاہیے جو کہ مسلمانوں کو بتائے کہ جنگیں کیسے جیتی جاتی ہیں اور دشمن سے کیسے دفاع کیاجاتا ہے ۔

القمری نے آرمڈ کور میں امتیازی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔وہ شب و روز اسلام کا مطالعہ کرتا اور جنگ کی تربیت حاصل کرتا ۔اس کے لئے یہ اللہ کی طرف سے عطاءکردہ ہمت تھی۔اس کو اس بات پر پورا یقین تھا کہ اسلام کی وجہ سے ہی وہ ہر قسم کی تربیت میں نمایاں پوزیشن حاصل کرتا ہے اورہمیشہ اپنی کلاس میں اول آتا ہے ۔اسی امتیاز کی وجہ سے جب وہ میجر تعینات ہوا تو اسے ایک بٹالین کی کمانڈ کی ٹریننگ کے لئے امریکہ روانہ کیا گیا۔اس سے وعدہ کیا گیا کہ واپس پر اسے ری پبلکن گارڈ کا کمانڈر تعینات کیا جائے گا۔اس نے ایک خاص وجہ سے اس ٹریننگ میں شمولیت اختیار نہ کی وجہ یہ تھی کہ اس کے دوستوں میں سے ایک دوست ایسا تھا جو چیزوں کو مبالغہ آرائی سے سوچتا اور بیان کرتا ۔اس نے عصام کو بتایا کہ 1981ءمصر میں تبدیلی کاسال ہو گا۔اس نے

عصام کو یہ بھی بتایاکہ وہ مصر میں نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد کو جہادی تربیت کے لئے بھرتی کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

فوج سے ہتھیاروں کی اسمگلنگ

اسی مبالغہ آمیز بیان کی بنیاد پر عصام نے فیصلہ کیا کہ وہ امریکہ جاکر تربیت حاصل نہیں کرے گا ،حالانکہ اسے اس کورس کے لئے نامزد کیا گیاتھا ۔آرمی آرمڈ کور کے افسروں میں سے صرف چند ایک ہی ایسے تھے جنہیں یہ موقع ملاتھاکہ وہ امریکہ جاکر تربیت حاصل کریں اورعصام ان افسروں میں سے ایک تھا۔

1981ءکے سال کو تبدیلی کا سال خیال کرکے عصام نے فوج سے ہتھیاروں کی چوری کا ایک منصوبہ بنایا تاکہ یہ ہتھیارجہادی گروپوں میں تقسیم کئے جاسکیں۔یہ ہتھیار میرے کلینک میں چھپائے جانے تھے ۔چنانچہ منصوبے کا آغازہوا اور ہتھیاروں کی پہلی کھیپ میرے کلینک پہنچ گئی ۔جب آخری کھیپ ایک بڑی بوری میں ڈال کر ،جس کے اوپر کتابیں اور ملٹری کے رسالے رکھے گئے تھے لے جائے جارہی تھی تومذکورہ نوجوان پر ملٹری والوں کو شک پڑا ،جس پر وہ فرار ہوگیا۔جب بوری کھول کر دیکھی گئی تو اس میں اسلحہ تھا۔اس بوری میں اس منصوبہ کا نقشہ اور ٹینکوں کی پوزیشنیں سب درج تھیں ۔عصام نے محسوس کیا کہ اس کی گرفتاری بس چند لمحوں کا ہی کھیل ہے چنانچہ وہ فرار ہوکر کہیں چھپ گیا تاہم اس منصوبے میں شامل کچھ افسر گرفتار کرلئے گئے ۔اس دورانعصام نے بڑے صبر کا مظاہرہ کیا ۔اس نے کسی سے شکوہ کیا نہ شکایت کی ،نہ اس نے کسی کے سامنے اپنی گرفتاری کا ماتم کیا اورنہ ہی اپنی گرفتاری کے لئے کسی کو موردِ الزام ٹھہرایا۔عصام نے کسی بھی صورت میں اپنا کام بند نہ کیا ۔

سادات کے جنازے میں امریکی صدر کے قتل کا منصوبہ

عصام نے سادات کے قتل کے بعد یہ منصوبہ بنایا کہ سادات کے جنازے میں شریک ہونے والے امریکی صدر اور اسرائیلی شخصیت کو اڑادیاجائے۔منصوبے میں یہ بھی شامل تھاکہ چندٹینک چھین لئے جائیں اور صدر کے جنازے کے جلوس پر ٹینکوں سے گولہ باری کی جائے تاہم اس منصوبے پر عمل درآمد کرنے کے لئے جس قدر وسائل کی ضرورت تھی وہ ہمارے پاس نہ تھے اور منصوبے پر عمل درآمد کے لئے جو وقت درکار تھا اس میں خاصی تاخیر ہوچکی تھی۔

اس منصوبے کے دوران عبود الزمرسے ملاقات ہوئی ،اسے ہم نے کہا کہ وہ مصر سے فرار ہوجائے تاکہ اطمینان سے اگلے منصوبے پر عمل کیاجاسکے لیکن اس نے ہماری ہدایت ماننے سے انکار کردیا اور کہا کہ اس نے اپنے مسلم بھائیوں سے عہد کررکھا ہے کہ وہ اپنی کوشش جاری رکھے گا ۔بعد ازاں اسے گرفتار کرلیا گیا جیل میں جب میری اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ تم ٹھیک کہتے تھے ،مجھے اس وقت فرار ہوجانا چاہیے تھا لیکن میں نے اپنی قوم سے جو عہد کیا تھا اس کو نبھاناضروری تھا۔اس لئے میں نے فرار کے بارے میں سوچنے سے گریز کیا۔

عصام القمری کا جہاد کے بارے میں اپنا ایک نظریہ ہے جس پر عمل کرنے کے لئے اس نے مختلف راہیں تلاش کیں لیکن قسمت نے اسے اجازت نہ دی۔مصر میں سیکورٹی کانظام اس قدر سخت ہے کہ اسے توڑنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کے مقابلے میں ایک فوج اتاری جائے جس کے پاس قابل ذکر حد تک ہتھیار ہوں ،جو دارالحکومت پر قبضہ کرلے اور کم ازکم دوہفتے تک فوج کے ساتھ جنگ کرسکے ۔اسلامی جہادی تحریکوں کے پاس جہاد کے لئے ہزاروں نوجوان ہیں لیکن یہ سب غیر مسلح ،غیر تربیت یافتہ ہیں اورانہیں لڑائی کاکوئی

تجربہ نہیں ۔فوج اپنی طاقت کی وجہ سے اسلامی تحریکوں کو کچلنے کی پوزیشن میں ہے ۔اسلامی تحریکوں کے لئے یہ ناممکن ہے کہ فوج کے مقابلے میں ایک طاقتور اورمسلح فوج تیار کرسکیں ۔کیونکہ سیکورٹی کے انتظامات اس قدر زیادہ ہیں کہ فوج کے علم میں لائے بغیر خفیہ طور پر اتنی منظم فوج تیارنہیں کی جاسکتی۔

عصام القمری کا نظریہ تھاکہ سینکڑوں مسلم نوجوانوں کو ہتھیار دیئے جائیں ،انہیں ٹینک چلانے کی تربیت دی جائے۔عصام القمری کونواجوان مسلمانوں پر بڑا یقین تھا کہ اگر انہیں تربیت دی جائے تویہ ایک بڑی جنگ کے تیار ہوسکتے ہیں۔

الجمالیہ کی جنگ

عبود کو جنگ میں ڈال دیا گیا۔انوسٹی گیشن کرنے والے افسر نے اس کے ساتھیوں پر تشدد کرکے یہ راز اگلوالیا کہ وہ عصام القمری اور مجھ سے ملاتھا چنانچہ مجھے بھی گرفتار کرلیا گیا ۔قاہرہ کے نواح میں الجمالیہ پر حکومتی ایجنسیوں نے عصام القمری کے ٹھکانے پر حملہ کردیا۔یہاں ایک دلچسپ جنگ لڑی گئی ۔

یہ جنگ منشیات الناصر کے علاقے الجمالیہ کے نواح میں لڑی گئی ۔یہ دراصل ایک غریب بستی ہے جہاں مکان ایک دوسرے کے ساتھ بنے ہوئے ہیں اور ان کے اندر چھوٹی چھوٹی تنگ گلیاں ہیں ۔عصام نے ایک ورکشاپ میں پناہ لے رکھی تھی ۔جسے محمد عبدالرحمن الشرقاوی نے تعمیر کیاتھا اور اس کام میں ابراہیم اورنبیل نے اس کی مدد کی تھی ۔یہ اس لئے تعمیر کی گئی تھی کہ ہمارا ایک خفیہ اڈہ ہوگا۔الشرقاوی کو بعد ازاں سادات کے قتل کے کیس میں سات

سال قید کی سزا ہو گئی تھی جبکہ طلائع الفتح کیس میں اسے مزید پندرہ سال قید کی سزا سنادی گئی ۔آج بھی وہ العقرب جیل مصر میں سزا بھگت رہا ہے۔

یہ ٹھکانہ ایک عظیم الشان گھر پر مشتمل تھاجس میں ایک چھت بغیر ہال کمرہ تھاجس کے دائیں بائیں دو دوکمرے تھے اورہال کے آغاز میں لوہے کا ایک بڑا گیٹ تھا ۔یہ ورکشاپ ایک تنگ گلی میں کے اختتام پر واقع تھی جس تک پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا اور اس ورکشاپ کو ایک منزلہ تنگ مکانوں نے گھیرا ہوا تھا۔جب وزارت داخلہ کو پتہ چلا کہ عصام القمری اس ورکشاپ میں روپوش ہے تو اس سارے علاقے کو حفاظتی دستوں اور پولیس نے گھیر لیا ۔اس حملے میں سنٹرل سیکورٹی فورس کی "کاؤنٹر ٹیرر بٹالین"استعمال کی گئی جوکہ حملے کے لئے جدید ترین اسلحے سے مسلح ایک بٹالین ہے ۔بٹالین نے کئی گھنٹے تک ورکشاپ کا محاصرہ کئے رکھا ۔

محاصرہ کرنے والی بٹالین نے ورکشاپ کے اردگرد تمام گھروں کی چھتوں پر مورچے بنالئے اور ان پر اپنی مشین گنیں نصب کرلیں۔صبح صادق سے قبل پویس نے لاؤڈاسپیکروں سے اعلان کیاکہ ورکشاپ کا محاصرہ ہوچکاہے اور تمام لوگ ہتھیار پھینک دیں ،جب ادھر سے کوئی جواب نہ گیا تومحاصرہ کرنے والی فورس نے اندھادھند فائرنگ شروع کردی ۔ورکشاپ کے محصورین یقینا اس حملے کے لئے تیار تھے ۔ان کے پاس دومشین گنیں ،دو ریوالور اورکچھ ہینڈ گرنیڈ تھے ۔حملہ آوروں نے جب اندر داخل ہونے کی کوشش کی تو عصام نے ان پر ایک ہینڈ گرنیڈ پھینکا۔اس دوران عصام اور اس کے دوساتھی چھت پر جاکر حملہ آوروں پر مشین گنوں سے فائرنگ کرنے لگے ۔جلد ہی مشین گنوں نے کام کرنا بند کردیالیکن عصام اور اس کے ساتھیوں نے دوڑ گائے رکھی انہوں نے حملہ آور فورس پردس ہینڈگرنیڈ پھینکے جن میں سے نو گرنیڈ پھٹے۔حملہ آوروں کی

مدافعت کمزور پڑگئی ۔عصام اور اس کے ساتھیوں نے محسوس کیا کہ حملہ آور کمزور پڑگئے ہیں جب وہ گیٹ سے باہر نکلے تو ایک سپاہی اپنی گن سے دروازے کی طرف اشارہ کررہاتھا ۔نبیلنعیم نے گرنیڈ مارکر اسے ختم کردیا اورلاشیں عبور کرتے ہوئے المقاتم کے پہاڑوں تک پہنچ گئے ۔کچھ فاصلے سے انہوں نے دیکھاکہ انہوں نے حملہ آور فورس کابہت نقصان کیا ہے اور حملہ آور فورس نعشیں اکھٹا کررہی ہے اور زخمیوں کو وہاں سے منتقل کررہی ہے ۔اس موقع پر یہ ہواکہ ابراہیم کے ہاتھ والے گرنیڈ کی پن تھوڑی سے سرک گئی تھی،اس نے اسے درست کیا اور باقی دونوں سے کہا کہ وہ دوسری طرف منہ کرلیں کیونکہ وہ پیشاب کرنا چاہتاہے وہ گرنیڈ زمین پر رکھ کر کچھ ہی دور گیا تھا کہ ایک زور دار دھماکہ ہوا لیکن اللہ کا کرنا ایسا تھاکہ وہ سب اس دھماکے سے محفوظ رہے لیکن اس سے یہ ہواکہ حملہ آور چوکنا ہوگئے اور آگے چل کر تقریباً سو افراد کے ایک گروپ نے انہیں پکڑ لیا ۔عصام کو الجہاد کیس میں گرفتار کرلیا گیا۔

اللہ کاشکر ہے کہ مجھے لیمان طرۃ جیل میں اس کی معیت میں وقت گزارنے کا موقع ملا ۔اس نے یہ تمام وقت منصوبہ بندی کرنے ،مختلف منصوبوں میں رنگ بھرنے،کچھ منظر بنانے اور موجودہ مسائل کا حل سوچنے میں گزارا۔ہمیں بھی اس کے ان مشاغل میں حصہ لینا پڑتاتھا۔مجھے اس مرتبہ تین سال کی قید کی سزاہوئی تھی جبکہ اسے دس سال قید کی سزا ہوئی تھی ۔حسب معمول اس نے سزا والی خبر بڑے سکون اور طمانیت سے سنی۔اس موقع پر اس نے مجھے کہا کہ "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں بہت سابوجھ اٹھانا پڑگیاہے"اسلام مسلسل جیل میں رہا اس دوران وہ جیل سے بھاگنے کے منصوبے بھی تشکیل دیتا رہا۔بالآخر عصام اپنے دوساتھیوں خمیس مسلم اورمحمد الاسوانی کے ہمراہ سترہ جولائی 1988ءکوجیل سے فرار ہوگیا ۔یہ کوئی معمولی فرار نہ تھا،اس کے لئے مہینوں اور سالوں تک منصوبہ بندی کی گئی تھی بالآخر کامیاب ہوئی۔یہ فرار کوئی

آسان کام نہ تھا ۔اس میں ایک جھڑپ بھی شامل تھی ۔جونہی انہوں نے جیل کی دیوار پھاندی ،ان کاسامنا حفاظتی گارڈ سے ہواجو کہ دیوارکے ساتھ ساتھ حفاظت کے نقطہ نظر سے تعینات کئے گئے تھے ۔اس فرار سے وزارت داخلہ میں سنسنی پھیل گئی کیونکہ انہیں اس قدر جرات مندانہ اوردلیرانہ اقدام کی توقع نہ تھی ۔فرار ہونے والوں نے سب سے پہلے اپنی کوٹھری کی سلاخیں کاٹیں ڈیوٹی پر موجود گارڈز کو یرغمال بنایا،اپنے پیچھے بم پھینک کر چار میٹر اونچی باڑ پھلانگی ،راستے میں ایک اور محافظ کے ساتھ ان کی مڈ بھیڑ ہوئی ،فرار ہونے والوں نے اس سے مقابلہ کرکے اس سے اسلحہ چھین لیا اور وہ اتنی سخت سیکورٹی کے باوجود اسوارجیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

عصام القمری اور اس کے ساتھیوں نے جیل سے فرار ہونے کے بعد دریائے نیل کو عبور کیا اورمیدانی علاقے سے گزرتے ہوئے وسطی ڈیلٹا کے علاقے تک پہنچ گئے ،چونکہ انہوں نے ایک طویل ترین راستہ پیدل طے کیا تھا لہٰذا خمیس مسلم کے پاؤں زخمی ہوگئے اور ان میں زبردست سوجن پیداہوگئی ۔سوجن سے اسے سخت بخار نے آگھیرا اور بخار سے اس پر کپکپی طاری ہو گئی ۔خمیس کے علاج اور اسے آرام پہنچانے کیلئے فرار ہونے والوں نے الجہاد گروپ کے ایک رکن خالد بخیت سے رابطہ کیا ،جس نے مفروروں کو الشرابیہ میں واقع اپنے گھر میں ٹھیرالیا۔بری قسمت ان کاپیچھا کرتے کرتے یہاں بھی آن پہنچی تھی ۔ریاست کی سیکورٹی انٹیلی جنس فورس نے 25جولائی 1988ءکی صبح خالد بخیت کے گھر پر چھاپہ مارا ،یہاں ایک اور جنگ بڑی بہادرانہ طریقے سے لڑی گئی ۔انٹیلی جنس کے چھاپے کی روائیداد یوں ہے کہ سیکورٹی کے سربراہ نے جونہی خالد بخیت کے گھر پر دستک دی،ان پر بم برسائے گئے ۔عصام القمری نے اس پر چھری سے حملہ کردیا ۔افسر اس حملہ میں‌بچ گیا اور اپنا پستول وہیں چھوڑ کر بھاگ لیا ۔چھاپہ مارنے والے گروپ کے دیگر ارکان بھی سر پر پاؤں رکھ کر

بھاگ کھڑے ہوئے ۔عصام نے افسر کا پستول اٹھالیا اور سب نے اس افسر کے پیچھے گلی میں دوڑ لگادی ۔گلی کے نکڑ پر اپنے بھائی کو فرارکیلئے محفوظ راستہ فراہم کرنے کے لئےعصام القمری کو پولیس کے ساتھ ایک اور جھڑپ میں الجھنا پڑا۔اس جھڑپ میں ایک گولی اس کے پیٹ میں لگی اور وہ گرپڑا۔اس کے ساتھیوں نے مڑکر اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اس نے اٹھنے سے انکارکردیا اور اپنا پستول انہیں دے دیا۔اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ موقع واردات سے فرار ہوجائیں جبکہ اس نے موقع پر ہی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

یہ داستان مجھے نبیلنعیم نے لیمان طرہجیل میں سنائی ۔نبیل نے بتایا کہ عصام القمری کے جیل سے فرار ہونے پر اس نے جیل سپرنٹنڈنٹ کو مذاقاً کہا کہ عصام القمری اور اس کے ساتھیوں کے جیل سے فرار ہونے کی وجہ سے وزارتِ داخلہ مصر کے دور دراز کے علاقے میں ٹرانسفر کردے گی لیکن جیل سپرنٹنڈنٹ نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ وزارت داخلہ ایسا نہیں کرے گی بلکہ القمری اور اس کے ساتھیوں کو اتنے سال جیل میں رکھنے کے صلے میں وزارت داخلہ کو اسے گولڈمیڈیل دینا چاہیے،چنانچہ وزارت داخلہ نے اسے اس کی ملازمت سے نہ نکالا۔

باب نمبر5

حکومت نے 12اگست 1988ءکو جمعہ کے روز مصر میں ایک اور آپریشن کا آغاز کیا ۔نماز مغرب کے بعد پولیس کے مسلح دستوں نے آدم مسجد پر ہلہ بول دیا جہاں اسلامی گروپ کا ہفتہ وار اجتماع جاری تھا ۔پولیس کا آدم مسجد پر حملہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی کیونکہ پولیس کے دستے قبل ازیں بھی آدم مسجد پر اس طرح کے چھاپے مارچکے تھے ۔اس مسجد پر پولیس کے چھاپے شاید اس کی عادت بن چکی تھی ۔قبل ازیں بھی حملے میں متعدد کتابیں تباہ ہوچکی تھیں۔

اللہ کی مرضی تھی کہ قبل ازیں اس طرح کاحملہ کرنے والوں کو اللہ کی طرف سے کبھی سزا نہ دی گئی تھی ۔یہ جرائم وزارت داخلہ اورامریکی انتظامیہ کی طرف سے کئے جارہے تھے۔اسلامی طاقتوں کو دبایا جارہاتھا۔اس سے خطے میں اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم کو تقویت مل رہی تھی ۔حملے کا آغاز مسجد کی کھڑکیاں توڑنے سے ہوا۔پھر اندر آنسو گیس پھینکی گئی اور گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی تاکہ لوگ بھاگ جائیں،جب مسجد میں عبادت کے لئے آنے والوں نے مسجد سے نکلنا شروع کیا ،پولیس اند گھس آئی اور اندھادھند فائرنگ کرنے لگی ۔یوں محسوس ہوتا تھا کہ وزارت داخلہ کے افسران پاگل ہوگئے ہوں ۔جونہی لوگوں پر فائر کھولا گیا ،بچے،عورتیں،بڑھے ،بوڑھے اور نوجوان گرنے لگے۔اس علاقے کی گلیاں اور گھر لاشوں اور زخمیوں سے بھر گئے۔ہرطرف خون ہی خون تھا۔جو بچ گئے پولیس انہیںٹرکوں میں ڈال کر گرفتار کرکے لے گئی ۔جب لوگوں کو پکڑ کر ٹرکوں میں ٹھونسا جارہاتھا توکچھ لوگوں نے مزاحمت کی جس سے دو افسر اور چار سپاہی زخمی ہوگئے ۔بعد ازاں ایک افسر محمد

زکریا جس کے سر میں شدید چوٹیں آئیں تھیں ہسپتال میں انتقال کر گیا ۔وزارت داخلہ نے اس علاقے میں کرفیونافذ کردیا اور اس علاقے میں پولیس فورس کے خصوصی دستے تعینات کردیئے۔

عین شمس کے علاقے میں دوسری مہم جوئی 7دسمبر 1988ءکو کی گئی جب وزارت داخلہ کو پتہ چلا کہ عصام گروپ کے تحت ایک احتجاجی مظاہرہ کیا جائے گا ۔مظاہرین القباش صدارتی محل تک پر امن مارچ کریں گے اور یہ مظاہرہ مقبوضہ فلسطین میں انتفادہ کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے کیاجائے گا ۔پولیس نے اس بات سے قطع نظر کہ مظاہرے کا مقصد کیا ہے ،مظاہرہ ترتیب دینے والے گروپ کو سختی سے منع کیا کہ وہ یہ مظاہرہ نہ کریں۔

پولیس نے نماز مغرب کے بعد آدم مسجد پرچھاپہ مارا اور مسجد میں موجود تمام نمازیوں کو حراست میں لے لیا ۔اس کے ساتھ ساتھ پولیس نے اسلامی گروپ کے ارکان کی گرفتاری کے لئے ایک بڑی مہم شروع کی اورعین شمس،المطریہ ،الف مسکن اور مساکنعین شمس میں چھاپے مارکر وسیع پیمانے پر ارکان کو گرفتار کرکے جیلوں میں ڈال دیا ۔اس مہم کے دوران 180 کے قریب افراد گرفتار کئے گئے۔

حکومتی پرورده اخبارات میں وزارت داخلہ کے ترجمان کاایک بیان شائع ہوا ،جس میں وزارت نے اعتراف کیا کہ عین شمس میں چھاپوں کے دوران اسلامک گروپ کے درجنوں ارکان کو گرفتار کیا گیا ہے ۔بیان میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ چھاپوں کے دوران اسلحہ اور تحریری مواد (بروشر وغیرہ)بھی پکڑا گیا ،بیان میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ آدم مسجد کو بند کردیا گیاہے اور بعض مفرور ارکان کی گرفتاری کے لئے مزید آپریشن بھی کئے جائیں گے تاہم اس بیان میں مفرور لوگوں کے والدین بیوی بچوں کا ذکر نہیں تھا جنہیں پولیس نے یرغمال بنالیاتھا اور ان

پر تشدد کرکے انہیں مجبور کیا جارہا تھاکہ وہ اپنے مفرور رشتہ داروں کی پناہ گاہوں کے بارے میں پولیس کو بتائیں۔

ڈپٹی چیف انٹیلی جنس لیفٹیننٹ کرنل کا قتل

حالات تیزی سے تبدیل ہونے لگے ۔عین شمس کے مارکیٹ کے علاقے میں ایک پھیری لگانے والے نے انٹیلی جنس یونٹ کے ڈپٹی چیف لیفٹیننٹ کرنل عصام شمس کو خنجر گھوپ دیا جو بعد ازاں ہسپتال میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گیا ۔پھیری لگانے والا فرار ہوگیا ۔تحقیقات پر پتہ چلاکہ مفرور کا نام شریف محمد احمد ہے اور اسے پولیس نے متعدد مرتبہ گرفتار کرکے زبردست تشددکانشانہ بنایاتھا۔اسلامی گروپ کے ارکان کی گرفتاری کے لئے جاری مہم میں بھی اسے پکڑلیا گیا تھا اورعین شمس کے ایک تھانے میں اس پر تشدد کیا گیا تھا۔

قتل وغارت گری کے اس ڈرامے کا ڈراپ سین اس وقت ہوا جب شریف محمد احمد ،خالد اسماعیل اور اشرف درویش کو بہیمانہ طریقے سے قتل کردیا گیا ۔وزارت داخلہ نے اس سانحہ پر جو بیان جاری کیا اس میں کہا گیا کہ ان تینوں مقتولین نے شبر اسٹریٹ میں اس وقت پولیس پارٹی پر فائرنگ کردی جب پولیس پارٹی انہیں گرفتار کرنے کے لئے گئی ۔یہ سب پولیس کی کہانی تھی ۔پولیس نے انہیں گرفتار کرکے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔اگر ان لوگوں نے پولیس پر حملہ کیا ہوتا تو پولیس پارٹی کاکوئی کارکن بھی زخمی ہوتا یا مرتا ایسا نہیں ہوا۔پولیس کے کسی ایک فرد کو خراش تک نہ آئی تھی ۔پولیس نے یہ سارا آپریشن صرف تین گھنٹے میں مکمل کرلیا اور اس قلیل مدت میں تاریخ کے تین جوان مرد اوربہادر انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وزارت داخلہ کے ترجمان نے اپنے من گھڑت اور خوساختہ بیان میں یہ دعویٰ بھی کیا کہ پولیس نے کاروائی کے بعد ہتھیار بھی برآمد کرلئے ۔اس پولیس چھاپے کے دوران پولیس نے اسلامی گروپ کی ایک اور ممتاز شخصیت جابر محمد احمد کو بھی قتل کردیا اور اس کے بارے میں پولیس کے ترجمان نے دعویٰ کیا کہ اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو اس نے پولیس کے ایک افسر پر حملہ کردیا اور اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی۔پولیس نے اس شدیدمزاحمت پر فائرنگ کردی جس سے وہ زخمی ہوگیا اور بعد ازاں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہوگیا۔

ان واقعات کے رد عمل کے طور پر پورے علاقے میں دن اور رات کا کرفیونافذ کردیا گیا ۔اور مشتبہ افراد کی گرفتاری کے لئے ایک بار پھر وسیع پیمانے پر چھاپوں اور گرفتاریوں کا آغاز کردیا گیا ۔کرفیوکی خلاف ورزی کرنے والوں کو دیکھتے ہی گولی مارنے کا حکم دے دیا گیا۔اس سے پورے علاقے میں شدید خوف وہراس پھیل گیا ۔مخصوص علاقوں میں کاروبار زندگی بند ہوگیا اور اسلامی گروپ کے لوگوں کو پکڑنے کے لئے دھرتی کا چپہ چپہ چھاننے کے عمل کا آغاز ہوا۔

ان تمام تر واقعات کے پس منظر میں عین شمس تھانے کے اس پولیس افسر کا ہاتھ تھا جس نے اسلامی گروپ کے ایک بے ضرر اورمعصوم کارکن کو پکڑ کر وحشیانہ تشدد کانشانہ بنایاتھا۔جیسا کہ پہلے بتاچکاہوں ۔اس کارکن نے رہائی پاتے ہی پہلے اس پولیس افسر کے شب وروز کا مطالعہ کیا ،بعد ازاں اس کی آمد ورفت کے راستے میں ایک ریڑھی لگالی اور ایک دن موقع پاتے ہی اس نے تیز دھار چھری سے اس پولیس افسر پر حملہ کرکے اسے خون میں نہلادیا۔اس واقعہ

کے بعد پولیس نے ملک بھر میں اسلامی گروپ کو نشانے پر رکھ لیا اور ان کے خلاف وسیع پیمانے پر پکڑ دھکڑ ،جیل اور سزاؤں پر عملدرآمد کا آغاز کردیاتھا۔ اس وقت کے وزیر داخلہ زکی بدر نے اسلامی گروپ کے 30 کے قریب مفرور ملزموں کی ماؤں ،بہنوں اور بیٹیوں کو حراست میں لینے کا حکم جاری کیا اور اپنے حکم نامہ میں کہا کہ ان عورتوں کو حراست میں لے کر اس وقت تک رہا نہ کیا جائے جب تک یہ اپنے مفرور بھائیوں ،بیٹوں اور والدوں کا پتہ نہ بتادیں ۔پولیس نے ان بے گناہ عورتوں کو گرفتار کیا اور عین شمس تھانے میں رکھ کر ان پر تشدد کیا ،انہیں مارا پیٹا گیا اور انہیں بھوکاپیاسا رکھنے کے بعد ان بے چاری عورتوں کو لازوگ لی کے علاقے میں اسٹیٹ سیکورٹی انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ منتقل کردیا جہاں ان پر ظلم وسربیت کے پہاڑ توڑے گئے ،ان کے کپڑے اتار کر انہیں عریاں کرنے کے بعد گھسیٹا گیا،ٹھڈے مارے گئے اور ان کی توہین کی گئی۔

انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ نے گویا اس طرح عین شمس تھانے کا واقعہ کا بدلہ معصوم عورتوں سے لیا۔یہ دراصل ریاست کی جانب سے اعلان تھا کہ پولیس اسلامی گروپ کے خلاف کاروائی کرتے ہوئے اسے کچلنے کے لئے کسی بھی حد تک جاسکتی ہے۔پولیس نے عورتوں کی تذلیل کرکے علاقے کے لوگوں کو بھی پیغام دیا تھا،جو اسلامی گروپ کی کاروائیوں کوحق بجانب سمجھتے تھے ۔یہ پولیس کی جانب سے پیغام تھاکہ اسلامی گروپ کو ختم کردیاجائے گااور اس دوران جو بھی طاقت یا فرد ریاست کے سامنے آئے گا یا اسلامی گروپ کے ارکان کو حمایت ،پناہ یااخلاقی حمایت مہیا کرے گا اسے بھی راستے سے ہٹادیاجائے گا۔ذکی بدر نے دراصل وزارت داخلہ کی پالیسی کا اعلان کردیا تھا کہ اسلامی گروپ کا پتا صاف کردیاجائے گا اور اس دوران جو بھی طاقت یا فرد ریاست کے سامنے آئے گا یا اسلامی گروپ کے ارکان کو حمایت، پناہ یا اخلاقی حمایت

مہیا کرے گا اسے بھی راستے سے ہٹادیاجائے گا ۔زکی بدر نے دراصل وزارت داخلہ کی پالیسی کا اعلان کردیاتھاکہ اسلامی گروپ کا پتاصاف کردیاجائے گا اور اس کے بعد ہمدردوں کوبھی نقصان اٹھاناپڑے گا۔

وفاقی وزیر داخلہ کے قافلے پر حملہ

ہم نےعین شمس کے واقعات کا سخت جواب دینے کافیصلہ کیا ۔طے یہ پایا کہ اینٹ کاجواب پتھر سے دیاجائے گا ۔اس ضمن میں وزیر داخلہ کو بم سے اڑانے کامنصوبہ بنا اور یہ فیصلہ یاگیاکہ وزیر داخلہ کے پورے قافلہ کو ایک کار کے ذریعے جس میں بارود بھراہوگا اڑادیاجائے گا اور اس طرح وفاقی وزیرداخلہ ذکی بدر اپنے منصوبوں سمیت خاک میں مل جائیں گے لیکن یہ منصوبہ اس وقت خاک میں مل گیا جب کار میں پڑا بارود کسی تیکنیکی خامی کی وجہ سے پھٹنے میں ناکام رہا اور ڈرائیور کو گرفتار کرلیاگیا ۔اس طرح یہ منصوبہ ناکام ہوگیا اور وفاقی وزیر داخلہ زکی بدر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

ڈاکٹر علاءمحی الدین کا بھرے بازار میں قتل

وزارت داخلہ سے اب اسلامی گروپ کی کھلی جنگ ہورہی تھی ۔زکی بدر کے خلاف کی جانے والی سازش میں اس کے بچ نکلنے کے بعد وزارت داخلہ نے اسلامی گروپ کو اس کاروائی کا جواب یوں دیا کہ 2ستمبر1990ءکو بھرے بازار میں ڈاکٹر علاءمحی الدین کو قتل کردیا۔اللہ تعالیٰ ڈاکٹر علاءمحی الدین پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور اسے جنت الفردوس میں جگہ عطافرمائے ۔ڈاکٹر محی الدین اسلامی گروپوں کے رہنماؤں میں سے ایک تھے اور ہمیشہ اس بات کی وکالت کرتے تھے کہ اسلامی گروپ کو حکومت کے ساتھ گفت وشنید کا دروازہ بند نہیں کرنا چاہیے تاکہ مصالحت اور مفاہمت کا امکان باقی رہے ۔انھوں نے

متعدد مواقع پر حکومت اور اسلامی گروپ کے مابین گفت وشنید کی بات کرکے وسیع عوامی پذیرائی حاصل کی تھی ۔انہوں نے آزادانہ گفتگو کا نعرہ بلند کیا لیکن یہ نعرہ شاید ہمارے حکمرانوں کو پسند نہ تھا۔

ڈاکٹر محی الدین کا قتل اسلامی گروپوں کے لئے ایک جواب تھا کہ حکومت کسی بات چیت کی کسی بھی کوشش کا جواب گولی سے دے گی اور یہ قتل واضح اشارہ تھا کہ گفتگو کرنے کی نہ توکوشش کی جائے اورنہ ہی ضرورت محسوس کی جائے ،اگر اس طرح کی کوشش کی گئی تو اس کا جواب ہلاکتوں کی صورت میں دیاجائے گا اور حکومت اسلامی جہاد گروپ کے وجود کو اب کسی صورت میں برداشت نہیں کرے گی۔اگر یہ دیکھاجائے توحکومت بھی اپنے طور پر درست انتقامی کاروائی کررہی تھی کیونکہ اسلامی گروپ نے مختلف محاذوں پر حکومت کو ناکوں چنے چبوائے تھے اور اسے زبردست شکست سے دوچار کیا تھا اور اسلامی گروپ حکومت کے خلاف زبردست محاذ آرائی میں مصروف تھا۔

اسلامی گروپ نوجوانوں کوگروپ میں شامل کرنے اورانہیں تربیت دے کر حکومت کے خلاف صف آراءکرنے کی صلاحیت رکھتا تھااور آہستہ آہستہ مسلمانوں میں یہ گروپ شہرت اختیار کرتا جارہا تھا۔گروپ اسرائیل کے تعلقات کوخوشگوار بنانے کے خلاف تھا۔حکومت گروپ کو امن کے لئے بڑا خطرہ سمجھتی تھی ۔گروپ نے ڈاکٹرمحی الدین کے قتل کا جواب دینے کی ٹھانی اور داخلہ امور کے وزیر مملکت عبدالحلیم موسیٰ کو بم سے اڑانے کا منصوبہ تشکیل دیا لیکن اللہ کو شاید یہی منظور تھا کہ عبدالحلیم موسیٰ اس حملہ میں بچ گئے کیونکہ وہ اس راستے سے اس روز گزرے ہی نہیں جب اس وقت بم پھٹنا

تھا۔عوامی اسمبلی کے اسپیکر رفعت المحجوب کا قافلہ وہاں سے گزرا ،بم پھٹا اورا سپیکر عوامی اسمبلی ہلاک ہو گئے۔

اسلامی گروپ نے حکومتی غم وغصے سے نپٹنے کے لئے اپنی حکمت عملی تبدیل کی اور طے پایا گیا کہ ایک طویل المیعاد حکمت عملی ترتیب دی جائے اور حکومت کے ہر حملے کا انتہائی غور وخوض کے بعد دیاجائے۔1990ءکے اوائل میں حالات نے پھر ایک کروٹ لی ۔حکومت نے ایک مرتبہ پھر الجہاد گروپ کے کارکنوں کی ایک بھاری تعداد کو گرفتار کرلیا۔پولیس نے گرفتار کئے جانے والوں میں سے 800 کارکنوں کے خلاف مقدمہ درج کرکے ان کے مقدمات عدالتوں کے سپرد کردئیے ۔عدالت نے ملزموں کو دھڑا دھڑ سزائیں سنانا شروع کردیں اور ان میں چار ملزموں کو عدالت نے موت کی سزا سنادی ۔حکومت کے ترجمان اخبارات ایک گولی چلائے بغیر الجہاد گروپ کے 800 کارکنوں کی گرفتاری کی خبروں سے بھرے ہوئے تھے ۔ہماری آغاز سے ہی یہ کوشش رہی کہ آہستہ آہستہ جہاد کوپھیلایاجائے اور تبدیلی کے عمل کے لئے منظم کوششیں کی جائیں۔

حکومت نے جب اسلامی گروپ پر کھلے حملوں کا آغاز کیا توپھر ہم نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ حکومت کے ساتھ براہ راست محاذ آرائی کا سلسلہ شروع کیاجائے ۔ہم نے وزارت داخلہ کے نئے وزیر حسن الالفی کو ہلاک کرنے کا منصوبہ تشکیل دیا ۔منصوبہ یہ تھا کہ ایک موٹر سائیکل کو آتش گیر مادے لادکر وزیر داخلہ کی گاڑی سے ٹکرایادیاجائے ۔منصوبے پر عمل درآمد ہوا لیکن وزیر داخلہ بچ گئے تاہم اس حملہ میں ان کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔اسے کاغذوں کے ڈھیر نے بچالیا جو اس کے پہلو میں موجود تھا۔یہ حملہ وزیر مواصلات صفوت الشریف پر حملے کے بعد کیاگیاتھا۔وزیر مواصلات بھی ایک ایسے ہی حملہ میں بچ گئے

تھے ،پھر الجہاد گروپ نے ملٹری کے مرکزی کمانڈر پر گھات لگاکرحملہ کیا ۔اس ملٹری کمانڈر نے اسلامی گروپ کے تمام رہنماؤں جن کو فوجی عدالت سے سزا سنائی گئی تھی ان سزاؤں کی توثیق کی تھی۔یہ حملہ بھی ناکام ہوگیا کیونکہ کمانڈرکی کار بلٹ پروف تھی۔

پولیس نے گھر گھر چھاپوں کے دوران جس طرح اسلامی گروپ کے لوگوں کو اپنی سربیت کانشانہ بنایا جس پر الجہاد گروپ کے لوگوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی ۔انہوں نے اس بے عزتی کابدلہ لینے کاپروگرام بنایااور اس کا جواب یوں دیا گیا کہ وزیر اعظم عاطف صدقی کے قافلے پر حملہ کرکے وزیر اعظم کو قتل کرنے کا منصوبہ تشکیل دیا اور اس کے لئے آتش گیر مادے سے بھری ہوئی ایک کار استعمال کرنے کاپروگرام بنایا گیا ۔بوبی ٹریپ میں استعمال ہونے والی کار دھماکے سے وزیر اعظم کی گاڑی سے ٹکرانے کو نکلی تووزیر اعظم کی کار کے ڈرائیور نے گاڑی کوانتہائی سرعت کے رفتاری سے موڑدیا جس سے وزیر اعظم کو معمولی خراشیں ہی آسکیں لین کے بارود کی زد میں آکر ایک اسکول کی طالبہ ،معصوم بچی آگئی ۔یہ بچی شیما سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔حکومت نے الجہاد گروپ کے اس حملے کے بارے میں یہ پراپیگنڈہ کیا کہ یہ حملہ بچی پر کیا گیا۔اللہ تعالیٰ اس بچی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطاءفرمائے ۔حکومت وزیر اعظم پر اس حملے اور اس میں ان کے زخمی ہونے واقعہ کو چھپا گئی۔

اسلامی گروپ کے لوگوں کو معصوم شیما کی ہلاکت کابہت دکھ تھا کیونکہ وہ معصوم روح تو ان کا ٹارگٹ نہ تھی ۔بعد ازاں گروپ کے لوگوں نے علاقے کا سروے کیا تومعلوم ہوا کہ پہلے سے کئے گئے سروے کے نتائج درست نہ تھے ۔پہلے یہ سمجھا گیاتھا کہ یہاں ایک اسکول ہے جسے ازسر نو تعمیر کیاجارہا ہے جبکہ عقبی حصے میں بچے زیر تعلیم تھے اورانہی میں سے ایک بچی حملے کے

وقت سڑک پر آگئی تھی جس سے وزیر اعظم توبچ گئے لیکن یہ نازک روح شیماماری گئی ۔اس کی ہلاکت پر ہم سب دل مسوس کررہ گئے ۔ہم سب اس کی موت پر غمزدہ تھے لیکن ہم کر بھی کیاسکتے تھے؟ ہم اللہ کی مرضی کے سامنے بے بس تھے ۔ہمیں اس ظالم حکومت کے ساتھ لڑائی کرناتھی ۔یہ حکومت اللہ کی شریعت کے خلاف تھی اور اللہ کے دشمنوں کی حامی تھی ۔

ہم لوگوں کو متعددبار خبردار کرچکے تھے کہ وہ ان شخصیات مثلاً وزیر اعظم ،وزیر داخلہ ،وزیر اطلاعات اور اسی نوع کے اہم صاحبان اقتدار سے علیحدہ رہیں اورجہاں جہاں سے ان کے قافلے گزرتا ہو وہاں جانے سے گریز کریں تاکہ کسی بے گناہ انسان کی جان ضائع نہ ہو ۔حکومتی شخصیات جان بوجھ کر عوام کے اندر گھل مل جاتی تھیں تاکہ انہیں نشانہ بنایاجاسکے کیونکہ عوام بے گناہ عوام کے درمیان کسی اعلیٰ حکومتی شخصیت کو قتل کرنا مشکل ہوتا ہے ۔خدشہ رہتا ہے کہ اس کاروائی میں معصوم لوگوں کی جانی نقصان نہ پہنچے لیکن چونکہ یہ خود کو بچانے کے لئے عوام میںگھل مل جاتے ہیں اس لئے ہمارے گروپ کے سامنے یہ سوال ہمیشہ موجود رہتا کہ انہیں لوگوں سے علیحدہ کرکےکس طرح موت کے گھاٹ اتاراجائے ؟ہم نے ہمیشہ یہ کیا کہ لوگوں کو متنبہ کیا کہ فلاں فلاں شخصیت ہمارا ٹارگٹ ہے لہٰذا اس سے علیحدہ رہا جائے۔

ہمارے ایک جہادی ساتھی السید صلاح نے یہ کہہ کر ہماری دکھ بھری بحث اور غم آلود گفتگو کو ختم کردیا کہ شیماجیسی معصوم بچی کے قتل کا ہمیں افسوس ہے لیکن جہاد جاری رہے گا۔اس طرح کے واقعات جنم لیتے رہیں گے لیکن جہاد جاری رہنا چاہیے۔جہاں تک مسلمانوں کو ارادی طور نقصان پہنچانے کا تعلق ہے توہم نے امام شافعیؒ کی رائے کو مقدم جانا ،جن کی رائے میں موجودہ لوگ مارے جائیں،ان کے عزیز واقارب کو خون بہا اداکیاجائے۔ہمارایہ

پختہ یقین ہے کہ جو لوگ اس طرح کے حادثات میں غیر ارادی طور پر مارے جائیں ،ان کے قریبی عزیزوں کو خون بہا اداکیاجائے ۔اگر ہم شیما کی مثال ہی لے لیں تو ہمیں ترازوکے ایک پلڑے میں شیما کو اور ترازو کے دوسرے پلڑے میں اپنی بیٹیوں کو رکھ کر دیکھنا چاہیے ۔ان بیٹیوں کو بھی دیکھاجانا چاہیے جن کے والد ایک عظیم کا کرتے ہوئے موت کے گھاٹ اتر گئے ۔ان بیویوں اور ماؤں کو بھی دیکھنا چاہیے کہ جن کے شوہر اور بیٹے جہاد جیسا عظیم مشن اپنا کر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر گئے اور ان کے سامنے اللہ کی راہ میں جان دینے کا مقدس مشن تھا۔

حکومت نے مجھے اور 280افراد کو پکڑلیا تاکہ ہم سب کے خلاف مقدمہ قائم کیا جائے اور ہم سب کو سزائے موت دی جاسکے۔اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بچیوں (اس وقت دو تھیں)اور میرے ساتھیوں کے بچوں کو یتیم کرناچاہتے تھے۔ہمارے بچوں کے کیلئے کون آہ وفغاں کرتا؟کسے ان کی پرواہ ہوتی ؟پولیس نے سید قرنی کے مکان پر چھاپہ مارا تو اس کی بیٹی نے گولی سے بچنے کے لئے دوڑ لگادی ۔پولیس نے بھاگتی لڑکی پر فائرنگ کرکے اسے چھلنی کردیا۔قرنی کی بیٹی خون میں لت پت وہیں ڈھیر ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہلاک ہوگئی ،اس کے لئے کس نے آنسو بہائے ؟

ہماری ہزاروں مائیں ۔بہنیں اور بیٹیاں جیل کی سلاخوں کے باہر اس انتظار میں کھڑی ہیں کہ کوئی انہیں ان کے پیارے والدین ،شوہروں اوربھائیوں سے ملوادے ۔وہ ان کی یاد میں آنسو بہاتی رہتی ہیں ،تڑپتی رہتی ہیں ،اپنے پیاروں سے ملنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرتیں ؟اپنے بھائیوں ،شوہروں اور بیٹوں سے ملنے کے لئے انہیں کن کن مراحل اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتاہے۔ان کے المیے میں کسے دلچسپی ہے؟ لیمان طرۃ جیل کے سامنے صنعا عبدالرحمن پر تشددکرکے پولیس نے

اس کا بازوتوڑدیا ۔اس وقت صنعا کے ساتھ اس کی تین سالہ بیٹی خدیجہ بھی تھی ۔الشعب اخبار نے بازو سے محروم صنعا اور اس کی بیٹی خدیجہ کی تصویر شائع کی تھی ۔

پردے اورنقاب پر اسکولوں ،کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کون پابندی لگارہا ہے ؟کون ہے جو ہماری بیٹیوں کو اسلام کے اقتدار کے خلاف لڑنے کے لئے کہہ رہا ہے ؟اور ہماری بیٹیوں کو مجبور کیاجارہا ہے کہ وہ مغرب اور اس کی بری اخلاقیات اور تہذیب کو اپنائیں۔

الجہاد گروپ کےہمارے ساتھیوں نے حسنی مبارک کوہلاک کرنے کامنصوبہ ترتیب دیا۔حسنی مبارک کو صلاح سالم روڈ پر اس وقت ہلاک کیاجانا تھا جب اس نے عید کی نماز کے لئے صدارتی محل سے نکل کرجاناتھا لیکن بدقسمتی سے ہمارا منصوبہ اس وقت ناکام ہوگیا جب حسنی مبارک کے قافلے نے مذکورہ سڑک ہی استعمال نہ کی بلکہ گاڑیوں کاقافلہ کسی دوسری سڑک سے ہوتا ہوا عیدگاہ کی جانب نکل گیا اور ہمارامنصوبہ خاک میں مل گیا۔اگر اس روزقافلہ اپنا راستہ تبدیل نہ کرتا تو آج شاید جہادی تحریک کچھ اور ہوتی ۔پھر حسنی مبارک کو مارنے کی ایک اورکوشش کی گئی لیکن یہ کوشش وقت سے پہلے ہی مخبری ہونے کی بناءپر پکڑی گئی ۔منصوبہ یہ تھا کہ صدر حسنی مبارک کو سیدی برانی ایئر پورٹ پراڑادیاجائے،اس واردات میں اسلامی گروپ کے ہمارے دوستوں نے حصہ لینا تھا لیکن مخبری ہونے پر یہ منصوبہ ناکام ہوگیااور اس طرح حسنی مبارک ایک مرتبہ پھر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

حکومت کے سیکورٹی انٹیلی جنس کے شعبے میں سب سے خطرناک افسر رؤف خیرت تھا ،اس نے بنیاد پرستوں کی تحریک کے خلاف کھلی جنگ کی،اس نے خود کو بچانے کے لئے تمام ہتھکنڈے استعمال کئے، مثلاً ہر چند ماہ بعد رہائش

تبدیل کرلیتا ۔اس کے گھر کے باہر کوئی گن میں ڈیوٹی پر نہ ہوتا۔اکثر یہ اپنی کار خود چلاتا تاکہ یہ تاثر دے سکے کہ وہ کوئی عام آدمی ہے اور اس کا حکومتی انٹیلی جنس ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے تاہم اسلامی گرو پ نے اسے جالیا۔وہ اپنے گھر سے نکل کر جب کار میں بیٹھ رہا تھا تواسلامی گروپ کے ایک مجاہد نے کار پر بم پھینکا جس سے وہ ہلاک ہوگیا ۔اسے مارنے کے لئے ایک طویل منصوبہ بندی کی گئی تھی ۔اس کا گھر تلاش کیا گیا ، اس کی آمد ورفت کے اوقات کو نوٹ کیا گیا اور شناخت کے بعد ایک پلان تیارکیا گیا جس کے نتیجے میں وہ مارا گیا۔اس نے مجاہدین کا ناطقہ بند کر رکھا تھا اور انہیں مختلف طرح کیااذیتوں میں مبتلاکرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

حسنی مبارک پر ایک اور قاتلانہ حملے کا منصوبہ بنایا گیا۔اسلامی گروپ نے 1995ءکے موسم گرما میں عدیس ابابا میں حسنی مبارک ایک بار پھر بچ نکلے ۔الجہاد گروپ میں شامل ہمارے ساتھیوں نے دوحملوں کے بیک وقت پلاننگ کی ۔پہلا آپریشن موسم خزان میں اسلام آباد میں مصری سفارتخانہ پر حملہ تھاجبکہ دوسرا آپریشن اسرائیل ٹورسٹوں پر حملہ تھا۔اسے عام طور پر خان الخلیلی کیس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جولائی 1997ءمیں اسلامی گروپ نے جیل سے تشدد کے خاتمے کا یکطرفہ اعلان کردیا لیکن اس اقدام کے فوری بعد اسلامی گروپ نے مغربی ٹورسٹوں کے خلاف الاقصر آپریشن کیا۔میں نے درج بالاحقائق کو مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا تاکہ ان اہم حقائق کا ایک خلاصہ بیان کردیاجائے جو 1988ءسے 1997ءکے جہاد کے دوران پیش آئے۔میں نے اس میں سے زیادہ تفصیلات حذف کردی ہیں۔

بنیاد پرستی کی تحریک کو کچلنے کا عمل

انور سادات کے قتل کے بعد اسلامی گروپ کی جہادی تحریک کو حکومت نے سختی سے کچلنے کا پروگرام بنایا اور اپنے منصوبے پر عملدرآمد شروع کردیا ۔حکومت خاص طور پر اسلامی گروپ کے اندر بنیاد پرست گروپ کو توڑنا چاہتی تھی ۔حکومت کی اس مہم نے اس وقت ایک جست لگائی جب زکی بدر نے وزارت داخلہ کا چارج لیا ۔اس نے اعلان کیاکہ اسلامی گروپ کی کاروائی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اس گروپ کے قلب پر چوٹ لگائی جائے۔اس مہم کا اولین مقصد یہ تھا کہ مسلم نوجوانوں کومایوس کیاجائے ،ان کے دل میں مایوسی ڈال دی جائے کہ حکومت کے خلاف مزاحمت کوئی فائدہ مندیا نتیجہ خیز نہیں ہے اور یہ کہ اس مزاحمت کے نتیجے میں تباہی وبربادی اور جانی نقصان ہوگااور یہ کہ اس کا ایک ہی حل ہے کہ مسلم نوجوان ہتھیار پھینک دیں اور مزاحمت ختم کرکے قومی دھارے میں شامل ہوجائیں اور حکومت اپنی مرضی کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتی ہے اسے اس کی آزادی دی جائے اور اس کے ہر پروگرام میں مزاحم نہ ہواجائے ورنہ اس کے نتائج مثبت کی بجائے منفی نکلیں گے ۔یہ تھا حکومتی مہم اور خاص طور پر بدر زکی کی مہم کا مقصد!!!

اگر اسلامی گروپ اس مہم کا موثر جواب دینے میں کوتاہی کرتا یا ناکام ہوجاتا تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ پوری اسلامی تحریک ناکامی سے دوچارہوگئی ہے اور اس سے تحریک کا مجموعی مورال بھی گرتا جوکہ ہمیں کسی صورت منظور نہ تھا۔اس خطے کے بارے میں یہودیوں کی پالیسی یہ تھی کہ کہ مسلمانوں کو مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیاجائے تاکہ بحیثیت قوم ان میں مزاحمت کا خاتمہ کرنے کی قوت ہی ختم ہوجائے ۔انہیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ مسلمانوں میں مزاحمت کا خاتمہ کرنے کے لئے

ضروری ہے کہ ان کے دل پر مایوسی کے بادل چھاجائیں اور وہ سوچنے لگیں کہ مزاحمت کرنا ایک بیکار عمل ہے۔

جہاد کے ذریعے اس وحشیانہ سہم کے خاتمے کا مقصد یہ تھا کہ نہ صرف مسلم نوجوانوں کومایوسی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالاجائے بلکہ ان کے دل امید سے روشن کردیئے جائیں ۔ان کے دل خود اعتمادی کے جذبے سے معمور ہوجائیں اور ان کا اللہ پر ایمان پختہ ہوجائے ۔جہاد کے فوائد مسلم نوجوانوں کے دل سے امید سے روشن کرنے سے بڑھ کر ہیں ۔مزاحمت ایک ایسا ہتھیار ہے جو حکومت کے خوشامدیوں کے اداروں کمزور کردیتا ہے۔اس کے علاوہ جہاد کو آگے بڑھانے کا عمل اور امریکہ اور یہودیوں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے عمل نے مسلم نوجوانوں کے دل میں مزاحمت کے چراغ روشن کئے کیونکہ مسلم نوجوان جان گئے ہیں کہ امریکہ اور یہودی اس خطے کے لئے کتنے خطرناک ہیں۔اس صورتحال کو دیکھاجائے توسوائے جہاد کے کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔کوئی بھی تجزیہ نگار باآسانی اندازہ لگاسکتاہے کہ اگر انور سادات کو ہلاک نہ کیاجاتا توکتنی تباہی ہوتی ۔

مصرکا کوئی بھی آزاد تجزیہ نگار مصر کی سیاسی صورتحال کا آسانی سے تجزیہ کرسکتا ہے کہ مصر دوطاقتوں کے مابین پھنسا ہوا ہے ۔ایک سرکاری طاقت کا جبکہ دوسری عوامی طاقت ہے جس کی جڑیں عوام میں بہت گہری اترچکی ہیں اور جس کی عام صورت اسلامی تحریک اور خاص صورت جہاد ہے ۔پہلی طاقت کو امریکہ ،مغرب ،اسرائیل اور متعدد عرب حکمرانوں کی حمایت حاصل ہے جبکہ دوسری طاقت کا انحصار اللہ تعالیٰ کے بعد پوری مسلم دنیا میں اٹھنے والی اسلامی جہاد کی تحریک پر ہے ۔یہ تحریک چیچنیا سے لے کر صومالیہ تک اورمشرقی ترکستان سے لے کر مراکش کے مغرب تک پھیلی ہوئی ہیں۔

دونوں طاقتوں کے مابین دشمنی بہت واضح ہے پہلی طاقت کا اصرار ہے کہ اسلام کو ہر قسم کی طاقت سے محروم کردیاجائے اور اس کے تمام شعبوں کو سربیت ،وحشت انگیز کاروائیوں اور الیکشن میں دھاندلی کے ذریعے ہر قسم کے اختیار اور توانائی سے محروم کردیاجائے جبکہ دوسری طاقت کا کہنا ہے کہ امن معاہدوں پر دستخط کرکے ملک کو اسلام دشمنوں کےلئے کھول دیا گیا ہے۔ یہ اسلام دشمن امریکی اور یہودی ہیں اور یہ کہ حکومت نے امریکہ کے ساتھ مشترکہ فوجی مشقیں کرکے ملک کی سرزمین کو اس کے حوالے کردیا ہے ۔ یہ نظریات کی جنگ اور بقاءکی جدوجہد ہے ۔ یہ جنگ کسی وقفے کے بغیر جاری ہے۔

مصر میں اسلامی جہادی تحریکوں کے اس مختصر پس منظر کا جائزہ لینے کے بعد ہم تھوڑا سا توقف کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ 1966ءسے لے کر 2000ءتک اس تحریک سے کیا حاصل ہوا؟اس کا جواب دینے کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مختصراً اس تحریک کے درج ذیل نتائج نکلے۔

وسعت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عرصے کے دوران جہادی تحریک پھلی اور پھولی اور مسلم نوجوانوںمیں اس نے اپنی جڑیں مضبوط کیں اور اس میں وسعت پیدا ہوئی ۔

تصادم:

اسلامی تحریک اپنے آغاز سے ہی اسلام دشمنوں کے خلاف جارحانہ کردار ادا کرتی رہی ہے ۔اس نے ثابت کیا کہ آخر سانس تک مزاحمت جاری رہے گی۔ ٹیکنیکل ملٹری کالج 1974ءکے واقعہ سے لے کر 1997ءمیں رونما ہونے والے لکسر تک کے واقعات اس کامنہ بولتا ثبوت ہیں ۔

مسلسل عزم:

اسلامی تحریک نے بیش بہا قربانیاں دیں،سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے جیلیں کاٹیں سینکڑوں زخمی ہوئے ،ان گنت لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور اس جدوجہد میں ہزاروں لوگ شہید ہوئے۔اس سے دوچیزیں ثابت ہوئیں ۔پہلی چیز یہ کہ اسلامی تحریک کی جڑیں عوام میں بہت مضبوط اور گہری ہیں ۔تمام ترقربانیوں اورکٹھن حالات کے باوجود اسلامی تحریک صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے زندہ رہی ہے ۔مصر میں کسی اور سیاسی تحریک کو نہ تو اتنا دبایا گیا اورنہ ہی اس کے کارکنوں نے اتنے دکھ جھیلے ،جس قدر ظلم اسلامی تحریک سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے برداشت کئے ۔دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ یہ تحریک حکومت کی سیکورٹی نظام کے لئے ایک مسلسل خطرہ بنی رہی۔اسکا ثبوت یہ ہے کہ حکومت کوایمرجنسی قوانین بنانے پڑے ۔فوجی عدالتیں قائم کی گئیں اور انسداد دہشت گردی کے لئے مختلف قوانین تشکیل دیئے گئے، جن کے مستقبل قریب میں بھی خاتمے کے کوئی امکانات نہیں اور اس پر طرہ یہ کہ ساٹھ ہزار کے قریب لوگوں کو جیلوں میں بند کیا گیا اور ان میں سے کچھ تو گذشتہ بارہ سال بغیر کسی مقدمے کے جیل میں پڑے سڑ رہے ہیں ۔

عالمی اتحاد:

حکومت کے پاس کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اسلامی تحریک اور مجاہدین کے خلاف اس جنگ کو ایک عالمی جنگ میں تبدیل نہ کردے ۔خاص طور پر اس وقت جب امریکہ یہ ماننے پر مجبور ہوگیا کہ بنیاد پرستوں کے خلاف جنگ میں حکومت اکیلی کامیاب نہیں ہوسکتی اور یہ کہ جہادی تحریک خطے میں چیزوں کو تہہ وبالاکرتی رہے گی اور امریکہ کو باہر نکال کرے گی اور یہ سوچنے سے ہی امریکہ اور مغرب دہل جاتا ہے۔

جنگ کا تسلسل:

اسلامی تحریک میں روز بروز ہونے والی پیش رفت کا جائزہ لینے والاکوئی بھی مبصر آسانی سے محسوس کرسکتا ہے کہ حکومت کے ساتھ جاری اس محاذ آرائی میں ایک تسلسل ہے اور یہ سلسلہ کہیں ٹوٹانہیں ۔یہ جنگ گذشتہ 36سال سے جاری ہے ۔بنیاد پرستی کی یہ تحریک یاتوکہیں نہ کہیں حملوں میں مصروف ہے یا حملے کی تیاری میں مصروف ہے ۔

حکومت اور اس کی پروردہ صحافت اور بیرون ملک لوگوں کو خواہ مخواہ یہ یقین دلانے کی فضول کوشش میں مصروف رہتی ہے کہ یہ جنگ ختم ہوچکی ہے حالانکہ ایمرجنسی قوانین کا نفاذ بھی جاری ہے اور سیکورٹی پر زر کثیر خرچ کیا جارہاہے۔اگر جنگ ختم ہوچکی ہے تو پھر سیکورٹی پر کروڑوں خرچ کرنے کا سلسلہ بند کرکے ایمرجنسی قوانین ختم کیوں نہیں کردیئے جاتے ۔

حکومت کے تمام تر اقدامات سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ جنگ ختم نہیں ہوئی بلکہ جاری ہے اور صورتحال لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہوتی رہتی ہے ۔حکومت کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ اس عالمی تحریک نے ایک پوری نسل کو جنم دیا ہے اور سیکورٹی ایجنسیاں بھی مل کر اس کو ختم نہیں کرسکتیں۔

حسنی مبارک کی حکومت نے چھ وزرائے داخلہ باری باری تبدیل کئے۔ہر نئے آنے والے اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ ملک سے دہشت گردی ختم کردے گا لیکن ابھی نئے وزیر داخلہ کے تحریر کردہ اعلان کی سیاہی بھی خشک نہ ہوتی تھی کہ ملک میں ایسا واقعہ ہوجاتا کہ حکومت اپنے وزیر داخلہ سمیت کانپ اٹھتی۔اس طرح حکومت وزیر پر وزیر تبدیل کرتی رہی لیکن دہشت گردی نہ رکی۔یہ جہاد ہے جسے دہشت گردی کانام دیا جاتا ہے۔ہر نئے آنے والے وزیر نے

اپنی نامزدگی کو درست ثابت کرنے کے لئے امن وامان کے حوالے سے اوٹ پٹانگ نعرے بلند کئے ۔اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ جہاد جاری ہے اور مزاحمتی تحریک ابھی دبی نہیں۔ یہ شعلہ ابھی بجھانہیں بلکہ بھڑک رہا ہے۔

ایک واضح نظریہ

اسلامی تحریک اپنے نظریے کے موٹے موٹے نکات عوام اوردنیا پر واضح کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے ۔اس نظریے کی بنیاد قرآن مجید کے ٹھوس دلائل ،نبی اکرم ﷺ کی سنت پر رکھی گئی ہے۔

منصوبہ بندی کی کمزوریاں اور جہادی تیاریاں

ہمیں یہ بات تسلیم کرلینی چاہیے کہ ٹیکنیکل ملٹری کالج اور آسوٹ کے واقعات کی منصوبہ بندی درست طریقے سے نہیں کی گئی بلکہ اس پلاننگ میں متعدد خامیاں تھیں ۔ان خامیوں کی وجہ سے یہ منصوبے کافی ناکامی سے دوچار ہوئے ۔اگر منصوبہ بندی مکمل ہوتی اور پلاننگ کرتے ہوئے تمام زمینی حقائق کو مد نظر رکھا جاتا تویہ منصوبے کبھی ناکام نہ ہوتے بلکہ یہ جس طرح سوچے گئے تھے اس سے بھی زیادہ کامیاب ہوتے ۔منصوبہ سازی میں موجود چھوٹے چھوٹے خلاؤں کی وجہ سے یہ منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اوران سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہوسکے ۔اگر اسلام آباد میں مصری سفارت خانے کی تباہی ،انور سادات کے قتل ،عصام القمری کے فرار اور رفعت الحبیب کے قتل کے منصوبے مکمل چھان بین کے بعد ترتیب دیئے جاتے اور ان میں موجود خلا دور کرلئے جاتے تویہ تمام منصوبے مکمل طور پر کامیاب ہوتے اور اسلامی تحریک اس افراتفری سے بھی نجات حاصل کرلیتی جو کہ اس کے اکثر منصوبوں میں نظر آتی ہے۔

لوگوں تک کمزور پیغام رسانی

بنیاد پرستوں کا پیغام خاص لوگوں،ماہرین اور الیٹ کلاس تک محدود رہا۔عام لوگ تحریک کے اس پیغام کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے ۔یہ وہ خلاءہے جسے اسلامی تحریک کو فوری طور پر پُرکرنا چاہیے۔

چند رہنماؤں کی مزاحمت کو جاری رکھنے میں ناکامی

اس کی بہترین مثال اسوارا جیل میں مجاہد رہنماؤں کی جانب سے ملٹری حکومت کے خلاف جہاد کا آغاز تھا۔اس پر ان شاءاللہ پھر کبھی تفصیل سے لکھوں گا۔

نتیجہ

گذشتہ 36سالوںمیں جہاد کی تحریک کامیاب ہوئی یاناکام اس کا جواب درج ذیل ہے۔

الف:۔ ہمیںیہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اسلامی تحریک کا مقصد کہ مصر میں ایک اسلامی حکومت قائم ہو ابھی حاصل کرناباقی ہے۔

ب:۔ جہاداسلامی تنظیم نے مصر میںاسلامی حکومت کے قیام کی کوئی حتمی تاریخ طے نہیں کی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسامقصد ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے کئی کئی نسلوں کو قربانی دیناپڑتی ہے۔فلسطین اورشام میں دوصدیوں تک جہاد جاری رہا تھا اور اس وقت اسلامی مملکتوں کے حکمران بادشاہ بھی جہادی تھے اور ان کے پاس باقاعدہ تربیت یافتہ افواج بھی تھیں اور اس وقت معروف مذہبی اسکالر مثلاً العز بن عبدالسلام ،النوائی اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی موجود تھے اس کے باوجود جنگیں طویل عرصے تک لڑی

گئیں ۔انگریز مصر پر 70سال تک حکمران رہے جبکہ فرانس نے الجیریا پر 120سال تک حکومت کی ۔

ج:۔ جہاں تک میرے مشاہدے اور بصیرت کا تعلق ہے میں دیکھ رہاہوں کہ جہاد اسلامی تحریک کو فتح کرنے کے لئے ایک طویل اور کٹھن راستہ طے کرنا ہوگاکیونکہ :

اول:۔ یہ ایک واضح نظریے کی بنیاد پر قائم ہے اور اس کی بنیادیں سنت پر استوار ہیں ۔

دوئم:۔ جہادی تحریک مسلم نوجوانوں کے ذہنوں میں تحریک کا ایک واضح امیج ڈالنے میں کامیاب ہوچکی ہیں جوکہ قبل ازیں عوام کی اکثریت کے ذہن میں نہیں تھا یا پھر یہ کہ ان کے ذہنوں سے محو ہوچکا تھا ۔

سوم:۔ جہادی تحریک مصری حکومت کے عالمی تحریک کے ساتھ رابطوں کو منظر عام پر لاچکی ہے۔

چہارم:۔ جہادی تحریک نے خود کو صرف نظریاتی مباحث ہی تک محددود نہیں رکھا بلکہ اس نے ایک عملی مخاصمانہ تحریک کی بنیاد ڈالی جس نے حکومتی ایوانوں کو متعدد بار ہلاکررکھ دیا اور یہ سابق صدر کو قتل کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے۔

پنجم:۔ درج بالاحقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہاجاسکتا ہے کہ جہادی تحریک نے مسلم نوجوانوں کو نظریاتی سطح پر اور عملی سطح پر زبردست طریقے سے متاثر کیا ہے ۔اس سے مصری نوجوانوں میں بنیاد پرستی کو فروغ ملا ہے ۔اس کے علاوہ بنیاد پرستی کی یہ تحریک مصر میں عوام کی ایک کثیر تعداد

کو بھی متاثر کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے ۔مثال کے طور پر سادات قتل کیس میں بچنے والے ایک نوجوان نے مجھے بتایا کہ سادات کیس کے دوران ایک وکیل نے کسی نہ کسی طرح اس تک رسائی حاصل کی اور انتہائی پرجوش لہجے میں اسے کہا:"تم کون ہو؟اور کہاں سے آئے ہو؟"سادات کے قتل سے مصری لوگوں میں ایک بار پھر امید بندھ گئی ہے ۔جہاد اسلامی کاکوئی بھی مبصر باآسانی اندازہ لگاسکتا ہے کہ جہاد کے آغاز سے لے کر اب تک جہادی تحریک نے کس سرعت رفتاری سے پیش رفت کی ہے اور جہادی نظریے میں اور اس کی طاقت میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟

ششم :۔ اس سے ہم اندازہ لگاسکتے ہیں کہ جہادی تحریک عام طور پر ترقی کررہی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں پیش رفت ہورہی ہے ۔یہ ممکن ہے کہ تشدد اور سربیت کے دنوں میں کچھ عرصہ کے لئے اس میں وقفہ آگیا ہولیکن تحریک رکی نہیں ۔

باب نمبر6

جب دوسری خلیجی جنگ ہوئی تو امریکی بحری بیڑہ اورمسلح افواج اس خطے میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے آگے آئے تاہم انہوں نے دیکھو اورانتظار کرو کی پالیسی کو اپنایا چه جائیکه وہ کھل کر مسلمانوں کو اپنا دشمن بنالیتے ۔افغانستان میں ایک مجاہد ملاعمرحفظہ اللہ نے امریکہ سے کہا کہ وہ اسلامی شریعت کی عدالت میں پیش ہوکر اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کی دہشت گردی کی کاروائیوں میں ملوث ہونے کی شہادت پیش کرے تو امریکہ نے اس کا مذاق اڑایا۔امریکہ کا ملاعمرحفظہ اللہ سے بات چیت سے انکار ایک کھلی توہین کے مترادف تھا۔

امریکہ جانتا تھا کہ افغانستان میں اس کی مداخلت کے کیا نتائج برآمد ہوں گے کیونکہ یہ تاریخ کا فیصلہ ہے کہ "اگر میں اسلام کے دفاع کی جنگ میں لڑتا ہواشہید ہوگیا تومیرابیٹا میرا انتقام لے گا"

میں بھی امریکہ سے یہ کہتاہوں کہ افغانستان ایک" بنیاد پرست سرزمین"بننے والی ہے جس کے ایک سرے پرپاکستان ہوگا۔امریکہ نے روسی افواج کو مغربی اسلحہ سے لیس کرکے چیچنیا کو کچلنے کے منصوبے کا آغاز کردیا ہے تاکہ جب یہ مہم جوئی ختم ہوتو پھر وہ اپنی نگاہیں جنوبی افغانستان پر جمالے۔

جہاں تک عرب ملکوں کی فوجوں کاامریکی فوج کے ساتھ مشترکہ فوجی مشقوں کا تعلق ہے تویہ اس لئے کی جارہی ہیں تاکہ عرب ممالک میں بنیاد پرستوں کو طاقت کے حصول سے روکاجاسکے۔ہم نے یہ فیصلہ کیاہے کہ مصر میں جہادی

تحریک کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی دنیا کی سرحدوں کا جائزہ لیا جائے۔ہم اس بحث کو دوحصوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔

پہلاحصہ اسلام دشمنوں پر مشتمل ہے جبکہ دوسراحصہ اسلامی تحریکوں کے جائزے پر مشتمل ہے ۔امریکہ کی اسلام بارے پالیسی کے نکات میں چند باتیں نہایت اہم ہیں ۔

امریکہ کابنیادی کردار اسرائیل کو مضبوط کرنااور اس کی مسلسل مدد کرنا ہے ،ماسوائے اسرائیل کے ،جوکہ بجائے خود امریکہ کا ایک بہت بڑا فوجی اڈہ ہے۔دوسری خلیجی جنگ سے قبل امریکہ کے مشرق وسطیٰ میں کہیں بھی اتنی بڑی تعداد میں فوجی اڈے نہ تھے ۔جونہی دوسری خلیجی جنگ برپا ہوئی امریکہ اپنے جہازوں ،بحری بیڑوں ،ٹینکوں ،توپوں اور مسلح افواج کے ساتھ اس علاقے کو زیر نگیں کرنے کے لئے کود پڑا تاکہ مشرق وسطیٰ کے معاملات کو بندوقوں کے سائے تلے خود کو کنٹرول کرسکے ۔اس خطے میں امریکی افواج کی اس سازشانہ موجودگی سے بہت سے نئے حقائق کھل کر سامنے آئے ہیں ۔ان میں سب سے بڑی حقیقت یہ کھلی کہ امریکہ ا س خطے میں مسلمانوں کے سب سے بڑے اعلانیہ دشمن کے طور پر پہلی بارکھل کر سامنے آیا۔بعد ازاں عرب اسرائیل تنازعے میں اور دیگر ملکوں کے اندرونی معاملات میں امریکی انتظامیہ نے ظاہر کیا کہ وہ ان معاملات میں غیر جانبدار ہے۔

اب اس خطے میں امریکی عزائم کھل کر سامنے آگئے ہیں۔عراق پر حملے کے ذریعے امریکہ تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنا چاہتاہے اور اس خطے میں کچھ عرب ملکوں کے سیکورٹی کے معاملات کاخود انتظام کرناچاہتا ہے ۔مصری اسٹیٹ سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ کوارٹر کے اندر امریکہ کا انٹیلی جنس ....ریکارڈ رکھتا ہے اس کے علاوہ مصر میں قاہرہ کے جنوب میں

امریکی اڈے بھی موجود ہیں ۔ادے وادی قنا او رراس بنا س (بحری اڈہ)میں واقع ہیں۔

مشترکہ امریکی مشقوں کے مقاصد

اگر آپ مشترکہ امریکی مشقوں برائٹ اسٹاروغیرہ کاجائزہ لیں توامریکی عزائم آپ کے سامنے کھل کر آجائیں گے ۔ان مشقوں میں جنہیں گذشتہ سال "برائٹ اسٹار99" کانام دیا گیا ۔اس میں امریکہ اور مصر سمیت 9ملکوں نے حصہ لیا جبکہ 33ملکوں نے بطور مبصر یہ مشقیں دیکھیں۔اس مشترکہ فوجی مشق میں 73ہزار سپاہیوں ،210لڑاکا طیاروں ،55جنگی بحری جہازوں نے حصہ لیا یہ مشق دنیا کی سب سے بڑی فوجی مشق تھی ۔فرانسیسی فوجوں کے کمانڈر جنرل ہارڈی کے مطابق "یہ مشقیں دنیا میں سب بڑی اور اہم کثیر القومی مشقیں تھیں"۔ان مشقوں کے پیچھے مصر اور امریکہ کی سوچ کارفرماتھی کہ اگرمصر پر کبھی بنیاد پرستوں کا قبضہ ہوگیا تو ان سے قبضہ واگزار کرانے کے لئے اسی طرح کاایکشن کیاجائے گا۔ان مشقوں میں حملہ آور فوجوں نے مغربی ساحل پر قبضہ کیا اورقاہرہ کے جنوب مشرق کی طرف مارچ کیا ۔یہ راستہ نپولین بونا پارٹ نے اپنی مصری مہم کے دوران اختیارکیاتھا۔

مصری مسلح افواج اسرائیل اور اس نوع کے دیگر دشمنوں کے حملوں سے نپٹنے کے لئے تیاری نہیں کررہی بلکہ بنیاد پرستوں سے دارالخلافہ چھڑانے کی تیاری کررہی ہیں یعنی دوسرے لفظوں میں اسرائیلی فوج مصری حکومت کی دشمن نہیں بلکہ قاہرہ میں بنیاد پرست اس حکومت کے لئے خطرہ ہیں ۔امریکیوں نے خود کو اس سطح پر محدود کرلیاہے کہ وہ اس خطے میں موجود رہیں گے جبکہ مصری حکومت اس خطے میں ان کے مفادات کا تحفظ کرے گی تاہم جب امریکی یہ محسوس کریں گے کہ ان کے مفادات کو براہ راست خطرہ ہے تو وہ ان

سے نپٹنے کے لئے خود جنگ میں کود پڑیں گے پھر وہ مصری حکومت کا انتظار نہیں کریں گے اور اس کی مثال ہم نے افغانستان میں دیکھ لی ۔

امریکہ کی اس خطے میں موجودگی کا یہ مطلب ہے کہ جب امریکہ کے ایجنٹ اس کے مفادات کا تحفظ کرنے میں ناکام ہوجائیں تو وہ خود آگے بڑھ کر اپنے دشمنوں یا اپنے مفادات کے خلاف کام کرنے والوں سے نپٹ لے ۔امریکہ کی اس خطے میں موجودگی کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ خطے میں ہونے والے واقعات کی رفتار تیز کردی جائے تاکہ یہاں اس کی موجودگی کا جواز بنارہے ۔

بنیاد پرستی کی تحریک کی نشوونما

یہودیوں کی اس خطے میں موجودگی کے خلاف مزاحمت اوربنیاد پرستی کی سہم میں تیزی آتی جارہی ہے ۔یہود دشمنی کی تحریک اس قدر موثر اور طاقتور ہوچکی ہے کہ امریکہ نے شاید یہ فیصلہ کرلیاہے کہ اس کے ایجنٹ اس کے دشمنوں کے خلاف مزاحمت کرنے میں ناکام ہوچکے ہیں اور یہ دشمن اتنے طاقتور ہوچکے ہیں کہ اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ امریکہ ان مخالفوں کے خلاف خود براہ راست ایکشن لے اور اس ایکشن میں ان امریکی فوجوں سے مدد لی جائے جو ا س وقت خطے میں موجود ہیں ۔

امریکی فوجوں کی اس خطے میں موجودگی امریکہ کی خارجہ پالیسی کے ایک اہم قدم کے طور پر ہے ۔امریکہ نے محسوس کرلیاہے کہ یہ ناممکن ہے کہ مسلم ملکوں سے اسرائیل کی موجودگی اور خطے میں عظیم تر اسرائیل کے قیام کے لئے توسیع پسندانہ عزائم کو تسلیم کروایا جائے ۔امریکہ اور عالمی یہودی حکومت کو یہ باور ہوچکا ہے اس خطے کی اقوام کا مطالبہ اسلامی حکومتوں کاقیام ہے کیونکہ اس خطے کو عالم اسلام کا مرکز تصور کیا جاتا ہے ۔وہ محسوس

کرچکے ہیں کہ ان معاملات پرسمجھوتہ ناممکن ہے تاہم امریکہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو طاقت ،دھوکے ،دھونس ،دھاندلی اور پراپیگنڈے سے پورا کرے اور بالآخر فوجی ایکشن کرکے سارا معاملہ ہی ختم کردے ۔یہ پالیسی جتنی بھی طویل ہوجائے بہرحال امریکہ کی ایک کم مدت پالیسی ہے۔

بنیاد پرستوں کا عالمی سطح پر تعاقب

اگر میں اسلام کے دفاع کی جنگ میں شہید ہوگیا تومیرا بیٹا محمد میری شہادت کا بدلہ لے گالیکن مجھے سیاسی موت ماراگیا ہے اور میں نے حکومت کو دلائل دینے میں اور یکطرفہ حل دیئے جانے میں اپنا وقت صرف کیاہے ۔میرے بیٹے کو کیا چیز تحریک دے گی ؟اگر میں نے اپنے ہتھیار سودے بازی کی مارکیٹ میں فروخت کردیئے کہ وہ وہاں سے ہتھیار خریدے ۔اس سے بھی زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ مزاحمت شریعت کی طرف سے عائد کردہ ایک فرض ہے۔

سوویت یونین کے انہدام کے بعد امریکہ نے متعدد ممالک کو سیکورٹی کے معاملات میں ڈکٹیشن دینا شروع کردی جس کے نتیجے میں یہ متعدد ملکوں کے ساتھ سیکورٹی کے معاہدے طے کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے ۔اس طرح متعدد ممالک کی حکومتوں کی مجاہدین کے تعاقب میں صلاحیت اور طاقت میںاضافہ ہواہے ۔بلاشبہ اسکے بنیاد پرستی کی تحریک پر اثرات پڑے ہیں ۔ابھی تک جہادی تحریک کے لئے یہ ایک نیا چیلنج ہے اور اس چیلنج سے نپٹتے ہوئے جہادی تحریک نے ان تمام امور کے خلاف مزاحمت کی جو اس کے اثر کوکم کرسکتے تھے ۔یہ اس نے امریکہ کو نشانہ بناتے ہوئے کیا۔

ہمیں یہاں یہ بھی بیان کرنا چاہیے کہ مارچ 1996ءمیں شرم الشیخ کانفرنس ہوئی اور اس میں عرب ممالک کے سربراہوں یا ان کے نمائندوں نے شرکت کی

جبکہ سوڈان ،عراق ،شام اور لبنان اس میں شریک نہ ہوئے ۔امریکہ ،روس اور متعدد مغربی ممالک یہ یقین دہانی لینے میں کامیاب ہوگئے کہ اسلامی ممالک کی طرف سے اسرائیل پر کوئی حملہ نہیں کیا جائے گا ۔یہ ایک شرمناک اور ذلیل کرنے والا واقعہ تھا اور اس میں مجھے معروف عرب شاعر کا شعر یا دآتا ہے جو اس طرح سے ہے :

جو شخص اپنی عزت نہیں کرتا
اس کیلئے اوروں کی بے عزتی برداشت کرنے کی گنجائش ہوتی ہے
آپ ایسے شخص کو زخم لگاکر
درد کا احساس کس طرح دلاسکتے ہیں
اگر وہ
پہلے ہی مرچکا ہو۔

کانفرنس نے عوامی قراردادیں منظور کیں اور اسرائیلی سیکورٹی کے تحفظ کے لئے اور خفیہ سیکورٹی کے تعاون کے منصوبے منظور کئے۔امریکہ کی سرپرستی اور رہنمائی میں عرب وزرائے داخلہ نے ایک کانفرنس منعقد کی اور اس کانفرنس میں دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لئے باہمی تعاون کے ایک معاہدے پردستخط ہوئے اور وہ ہرسال اس معاہدے میں پابندی کی ایک نئی شق شامل کردیتے ہیں ۔امریکہ محض اس کانفرنس کے انعقاد اور معاہدے کی تشکیل سے ہی مطمئن نہ تھا۔اس نے اس معاملے کو اپنی تنظیم اقوام متحدہ میں گھسیٹ لیا کہ وہ افغانستان پر معاشی پابندیاں لگانے کے لئے ایک قراداد پاس کرے کیونکہ افغانستان نے اس کی (امریکہ)حکم عدولی کرتے ہوئے اسامہ بن لادن ﷾ کو اس کے حوالے نہیں کیا۔

ملاعمر حفظہ اللہ کی طرف سے امریکہ کی نافرمانی

1990ءمیں امریکہ نے مقابلے کا ایک اور محاذ کھول لیا جس نے اس کے اقتدار اور تکبر کو ایک چیلنج سے ہمکنار کردیا ۔دومسلم ریاستوں افغانستان اور چیچنیا کے لوگوں نے کا فر حکومتوں کے خلاف اللہ کے حکم پر جہاد کا راستہ چنا۔معاملہ یہاں رکانہیں۔یہ دوممالک دنیابھر سے آنے والے مجاہدین اور مہاجرین کے لئے ایک محفوظ جنت بن گئے۔ان مہاجرین اور مجاہدین کو امریکہ عرب افغان بنیاد پرست ،دہشت گرد اور اس نوع کے دیگر ناموں سے یاد کرتا ہے ۔امریکہ سے یہ نافرمانی مسلمانوں کے خلیفہ ملاعمر حفظہ اللہ نے کی جب اس نے اسامہ بن لادن حفظہ اللہ اور اس کے ساتھیوں کو امریکہ کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔ملاعمر اس وقت بھی ثابت قدم رہے جب امریکہ نے افغانستان پر مزائیلوں سے حملہ کردیا اس دوران چیچن مجاہدین نے روس کے خلاف نافرمانی کی اورجہاد کاآغاز کیا۔

باب نمبر 7

نیروبی میں امریکی سفارت خانے کی تباہی کے دوران القاعدہ کے ایک سرکردہ رہنماہلاک ہوگئے ۔ابوسلیمان المغربی نے اس پر ایک طویل مرثیہ لکھا جس میں انہوں نے اپنے ساتھی کی زندگی اور شجاعت کے کارناموں کوبیان کیا ۔پہلی مرتبہ ایسا ہواکہ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے کسی قریبی ساتھی نے اس کھلے عام بموں کی بارش کے دوران اپنے ساتھی کانوحہ بیان کیا ہو۔

یہاں میں سید قطب شہید رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کرتا ہوں۔سید قطب جو کہ بنیاد پرستی کی تحریک کے نظریہ سازوں میں سے تھے کہتے ہیں:"آگے بڑھتے ہی رہو ۔بے شک تمہارا راستہ کتنا ہی خون آلود کیوں نہ ہو۔اپناسر دائیں سے بائیں (انکار میں)مت ہلاؤ۔بلکہ سامنے جنت کی طرف دیکھو۔جو کہ تمہاری منزل مقصود ہے"۔اسلامی گروپ کے بعض لوگوں نے جب بھی جہادی تحریک روک دینے کی بات کی ۔میں محسوس کرتا ہوں کہ ان مواقع پر ان کے نقطہ نظر میں جو تبدیلی آئی ،اس سے بھی جہادی تحریک کو نقصان پہنچا کیونکہ جو لوگ جہادی تحریک سے متعلق تھے یا وہ بھی جن کا اس جہادی تحریک سے کوئی تعلق نہ تھا،انہوں نے بھی اس بارے میں بحث وتمحیص شروع کردی۔میں نے اسے ذرا بے تکلفی سے زیر بحث لانے کا ارادہ کیا ہے تاکہ اس کی تمام تر تفاصیل سامنے آسکیں۔

میں اسلامک گروپ میں اپنے جہادی بھائیوں سے معذرت چاہتا ہوں۔میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں اور محبت کے ساتھ ان کے خیالات پر تنقید کررہاہوں تاہم

شریعت کی تشریح کی کوشش کے دوران میں نے محسوس کیا ہے کہ جوجو درست ہے وہی میرے نزدیک قابل تحسین ہے ناکہ میرے جہادی بھائیوں کا پیار۔ میں اپنی اس بات کا آغاز اس اپیل سے کرتا ہوں جو اسلامی گروپ کی آسوان برانچ کے لیڈر خالد ابراہیم نے کی جو کہ اپریل 1996ءکے اسلامی گروپ کے مقدمے میں ملزم تھے۔لیڈر خالدابراہیم نے جولائی 97ءمیں اسلامی گروپ کے رہنماؤں کے نام سے حکومت کے خلاف ایکشن نہ کرنے کی ایک اور اپیل کی اور یہ اپیل جن رہنماؤں کے نام سے کی گئی وہ ابھی بھی لیمان طرۃ اور الغرب کی جیلوں میں اپنی سزا بھگت رہے ہیں ۔اپیلوں میں کہا گیا کہ اسلامی گروپ کے مصر کے اندر ممبر اور مصر سے باہر ملٹری آپریشن روک دیں اور اس طرح آپریشن کرنے کے لئے کوئی بیان بھی جاری نہ کریں ۔اسلامی گروپ نے حکومت سے کہا کہ گروپ نے جو پیش رفت کی ہے حکومت اس کا جواب دے ۔

اس وقت کے وزیر داخلہ حسن الالفی نے حکومت کے ترجمان کی حیثیت سے بیان دیا کہ اسلامی گروپ کے اس نوع کے بیانات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ گروپ کے ارکان نے اپنی جیل میں سزا میں کمی کے لئے دیئے ہیں اور دوسرا یہ بھی کہا گیا کہ حکومت قانون شکنوں کے ساتھ کسی طرح کی ڈیل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

وزیر اعظم حسن الالفی کے پیش رو اور وزیر داخلہ حبیب العادلی نے اعلان کیاکہ حکومت کسی کے ساتھ کسی قسم کی کوئی بات چیت نہیں کرنا چاہتی ۔ہاں البتہ ایسے افراد کو حکومت رہاکردے گی جو اپنے کئے پر شرمندہ ہوں ،اپنے فعل کی معافی مانگیں اور یہ حلف دیں کہ وہ آئندہ دہشت گردی اور تشدد کی کسی کاروائی میں ملوث نہیں ہوں گے۔

پرتشددکاروائیوں کو روکنے کا مسئلہ

پرتشددکاروائیوں کا جو تعارف میں نے اوپر دیا ہے اب میں پیش قدمی کے نام نہاد ان معاملات کو سوالات کی صورت میں دہراتا ہوں:

(الف) اسلامی گروپ کا ایک رکن اس پیش رفت کے بارے میں کیاخیال رکھتا ہے ؟

(ب) پیش رفت کی تعریف کس طرح کی جاسکتی ہے؟

(ج) ایسی پیش رفت کے جواز میں کئے جانے والے دلائل کس حد تک قابل یقین ہیں؟

(د) اس پیش رفت کے کیا اثرات ہوئے؟

اسلامی گروپ کے ممبر اس پیش رفت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟قارئین کو حیرانی ہوگی کہ میں نے اس فارمولاقسم کے سوال کے ساتھ آغاز کیوں کیا؟میں نے یہ اس لئے کیا کہ اس سے حقائق زیادہ واضح طور پر منظر عام پر آسکتے ہیں اور یہ پیش رفت کی تحقیق میں زیادہ معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

1۔ اسلامی گروپ کے پہلے ترجمان جس نے سب سے پہلے پیش رفت کی وہ خالد ابراہیم تھے ۔انہوں نے اپنے مقدمے کی سماعت کے دوران جو اپریل 1996ءمیں ہوئی یہ بات کی ۔وکیل مستنصر الزیات نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اس سے یہ بیان دلوانے کے بعد اسے اخبارات میں شائع کرادیا۔مستنصر الزیات نے اس وقت یہ موقف اختیارکیا کہ وہ تحریک سے وابستہ بیرونی ممالک میں مقیم ممبران ان کے ردعمل کا انتظار کررہا تھا۔

2۔ بعد ازاں محمد عبدالعلیم نے اسلامی گروپ کے رہنماؤں کے ایماءپر 1997ءمیں جیل میں اپنے ٹرائل کے موقع پر بیان جاری کیا ۔یہ مقدمہ بینکوں کو بم سے اڑانے کے بارے میں تھاجس میں اسے بطور ملزم نامزد کیا گیا تھا۔دفاع کونسل میں ایک مرتبہ پھر مستنصر الزیات بھی شامل تھے ۔محمد عبدالعلیم نے اس موقع پر اسلامی گروپ کے رہنماؤں کی طرف سے متعدد بیانات جاری کئے ۔پہلے بیان میں محمد بن عبدالعلیم نے اعلان کیا کہ اسلامی گروپ کے اندرون ملک اور بیرون ملک تمام ارکان ملٹری آپریشن ترک کردیں ۔نہ تو کسی جگہ حکومتی مشینری اور اہم ارکان پر حملے کئے جائیں اورنہ ہی اس قسم کے بیان جاری کئے جائیں جس سے گروپ کے ارکان متحرک یا مشتعل ہوکرایسے حملوں پر آمادہ ہوں ۔دوسرے اعلان میں‌کہا گیا کہ کسی درست جواز کے بغیر مصر کے قدیم باشندوں (یعقوبی فرقے کے عیسائیوں)پر حملہ کسی صورت جائز نہیں ہے۔تیسرے اعلان میں اس نے پہلے والے اعلان کو دوبارہ سختی سے دہرایا کہ ملٹری آپریشن روک دیئے جائیں اور حکومتی مشینری پر حملوں پر اکسانے والے بیانات پر کان نہ دھراجائے اور اس نوع کی ترغیب دینے والوں کو نظر انداز کیا جائے اور یہ ترغیب چاہے اندرون ملک سے دی جائے یا بیرون ملک سے ایسا کوئی اشارہ آئے۔دونوں صورتوں میں اسے نظر اندازکیاجائے۔

اس نوع کے بیانات کے ساتھ ہی اس نے یہ اعلان بھی کیا کہ یہ بیانات حکومتی ایجنسیوں سے کسی سمجھوتے یا مفاہمت کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ یہ اعلان مسلمانوں کے مفادات اور اسلام کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے کئے جارہے ہیں اور اس سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو فائدہ ہوگا بلکہ اسلام کو بھی بطور دین فروغ ملے گا۔اس کے بعد امریکہ کی ایک جیل سے ڈاکٹر عمر عبدالرحمن نے ایک بیان جاری کیا جو درج بالابیان کی تائید میں تھا۔دونوں بیانات ایک طرح کے تھے اور ایک دوسرے کی معاونت میں تھے ۔امریکہ سے آنے والے اس بیان

کے بعد مصر میں موجود اسلامی گروپ کے رہنماؤں نے اس پر اپنا مثبت ردعمل دکھایا اور اپنے پانچویں بیان میں ایک مرتبہ پھر اپنے عزم کا اعادہ کیا۔بیان میں کہا گیا کہ لیمان طرۃجیل میں موجودہ برادرز شیخ ڈاکٹر عمر عبدالرحمن کے اس بیان کا خیر مقدم کرتے ہیں جو انہوںنے ملٹری آپریشن روکنے کے لئے دیا ہے ۔انہوں نے کہا کہ یہ بیان ایک روشن خیال ذہن اور جراءت کی عکاسی کرتا ہے کیونکہ انہوںنے ہمیشہ خون خرابے سے نفرت کی ہے اور امن کی راہیں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور جب اس نے مصیبت کے وقت اپنے خدا کو پکارا ،خدا نے ضرور اس کی فریاد سنی ہے اور خدا نے ہمیشہ اسے انعام سے نوازا ہے ۔ہم مصالحت کرانے والوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ اس کی جیل سے رہائی کی کوشش کریں۔

لیمان طرۃ جیل میں بند اسلامی گروپ کے رہنماؤں نے جیل سے ملک کی معروف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں اور دیگر عوامی مقتدر شخصیات کے نام ایک تار بھیجا۔یہ تار اخبار "الوفد"میں شہ سرخی کے ساتھ شائع ہوا۔تار کامتن کچھ اس طرح سے تھا۔"ہم لوگوں کو قتل عام سے بچانے کے لئے جنگ کو روک دینے کا اعلان کرتے ہیں ۔ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہماری اس پیش رفت پر ہمارے ساتھ تعاون کریں گے ۔ہم آپ سے تعاون کے خواستگارہیں ۔ہم ملک کے صدر اور حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس پیش رفت کامثبت جواب دے "۔بعد ازاں لیمان طرۃ جیل میں موجود برادرز نے ڈاکٹر عمر عبدالرحمن کے بارے میں بیان سے دست برداری کااعلان کیا۔اس پر میںاس وقت بات کروں گا جب عبدالرحمن کے بارے میں لکھوں گا۔

3. اسامہ رشدی نے 17نومبر 1997ءکوالاقصرکے واقع میں ملوث ہونے اور بعد ازاں عدالت سے رہائی پانے کے بعد اس پیش قدمی کے بارے

میں ایک بیان دیا۔اس نے اپنے بیان میں برادر رفاعی طہٰ کا بھی حوالہ دیا ۔رفاعی طہٰ اسلامی گروپ کے ملٹری کمانڈر تھے ۔یہ رد عمل دمشق سے براستہ قاہرہ چار ماہ قبل پہنچا۔میں الشرق الاوسط میں اسامہ رشدی کا انٹرویو پڑھا ۔میں اس انٹرویو کے بارے میں یہاں بھی بتاناچاہتا ہوں کیونکہ اس انٹرویو کا اس منظر نامے سے تعلق ہے اور یہ اسلامی گروپ کے رہنماؤں میں خیالات میں آنے والی تبدیلی کی ایک اور سمت کو ظاہر کرتا ہے۔

اسامہ رشدی کے خیال میں "شیخ عمر عبدالرحمن نے جہاد کے بارے میں اپنا نقطہ نظر اس لئے تبدیل کیا اور اپنی حمایت اس لئے واپس لی کیونکہ وہ اصل صورتحال سے بے خبر ہیں اورانہیں زمینی حقائق کا علم ہی نہیں ہے ۔اس لاعلمی کی بنیادوں پر انہوں نے اپنا نقطہ استوار کیا ہے"۔اسامہ رشدی انٹرویو میں کہتاہے کہ شیخ کو یہ معلومات ملی تھیں کہ ہزاروں لوگ ابھی تک جیلوں میں زیر حراست اور ان پر تشدد کیا جارہا ہے ۔شاید رابطوں میں کمی کی وجہ سے اس تک صحیح صورتحال نہ پہنچی ہو۔اسامہ رشدی کے خیال میں معلومات کی کمی کی وجہ سے شیخ نے پیش قدمی بارے میں دئیے جانے والے بیان سےبراءت کااظہار کیا ہے رشدی نے تسلیم کیا کہ مصر میں صورتحال بہت خراب ہے اور حکومت ابھی تک وہی پرانے حربے زیادہ شدت سے استعمال کررہی ہے۔

اسامہ رشدی کہتا ہے"جہاں تک ملٹری آپریشن روک دینے کا تعلق ہے تو اسلامی گروپ میں زیادہ روشن خیال رہنما زیادہ مایوسی اور احساس محرومی کا شکار ہیں کیونکہ حکومت کسی طور پر اسلامی گروپ کے خلاف ایکشن لینے سے باز نہیں آرہی ۔جیلوں میں انسانی حقوق کی شدید ترین خلاف ورزیاں دیکھنے میں آرہی ہیں اور قیدیوں اور ان کے خاندانوں کے ساتھ بدترین تشدد کیا جارہا ہے۔

اسامہ رشدی اپنے انٹرویولفظ "استحقاق"استعمال کرتا ہے،یہ ایک عجیب لفظ ہے اور مجھے اس کا علم نہیں کہ اس کا اس لفظ سے کیا مطلب ہے ۔رشدی یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارے بھائیوں کو جیل میں بدترین تشدد کاسامنا ہے ۔انہیں تفتیشی کیمپوں میں رکھ کر ان پر اذیتوں کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اورانہیں ہر قسم کے قانونی حقوق سے محروم کیا جاتا ہے ۔انٹرویو لینے والے نے رشدی سے پوچھا"کیا سات ہزار قیدیوں کو پولیس کی حراست سے آزاد کرنا ایک مثبت نتیجہ نہیں ہے"اس پر رشدی نے جواب دیا"یہ اعداد وشمار قابل قبول نہیں ہیں،اس کے علاوہ ہزاروں ارکان ایسے ہیں جن کو مقدمہ چلائے بغیر یا ایف آئی آر درج کئے بغیر جیلوں میں اور عقوبت خانوں میں ڈالا گیا ہے ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ انہیں جیلوں میں سڑتے ہوئے دس ،دس سال سے بھی زائد کا عرصہ ہوچلاہے"۔

نہ جانے کیوں اسامہ رشدی نے بھی انہی اعداد شمار کاحوالہ دیا جو اعداد وشمار شیخ نے پیش قدمی واپس لینے کے اعلان پر کئے تھے ۔ایک طرف تو اسامہ رشدی ،شیخ کے اعداد شمار کو یہ کہہ کررد کردیتا ہے کہ اسے درست معلومات نہیں ملیں جبکہ دوسری طرف اسامہ رشدی خود بھی شیخ کے بیان کردہ اعداد وشمارکا حوالہ دیتا ہے۔نہ معلوم کیوں اسامہ رشدی خود بھی شیخ کے بیان کردہ اعداد شمار کا حوالہ دیتا ہے ۔نہ معلوم کیوں اسامہ رشدی نے ایسا کیا؟ کیونکہ ایک سوال کے جواب میں خود بھی جیلوں میں موجود ہزاروں قیدیوں اور ان پر تشدد کی بات کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ ان قیدیوں اور ان کے اہل خانہ کو ہر قسم کی قانونی امداد سے جوکہ ان کا حق ہے ،محروم رکھا جارہا ہے۔رشدی کے خیال میں مصری حکومت کو شیخ عبدالرحمن کے بیان کردہ مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہیے ۔رشدی کے خیال میں میرا یہ یقین ہے کہ شیخ عبدالرحمن کے حوالے سے مصری حکومت کو اپنے جرم کا احساس ہے کہ اس نے شیخ کے امریکی جیل میں انسانی حقوق کا خیال نہیں رکھا ۔حکومت مصر کو کسی نتیجے پر پہنچنا

چاہیے کیونکہ شیخ بہرحال ایک مصری باشندہ ہے ۔وہ نہ صرف ایک مسلم اسکالر ہیں بلکہ جامعہ الازہر کے پروفیسر ہیں اور آخری بات یہ کہ وہ بصارت سے محروم اور بیمار بوڑھے آدمی ہیں ۔ان کو حراست اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہر سطح پر ایک مستقل تناؤ کو جنم دیتا رہے گا۔

انٹرویو لینے والے نے اسامہ رشدی سے استفسار کرتے ہوئے کہا "آپ کے خیال میں اس کی کیا ضمانت ہے کہ اگر مصری حکومت امریکہ سے کہہ کر اسے رہائی دلواتی ہے تو شیخ مصر کے لئے ہی خطرہ نہ بن جائیں گے؟"۔رشدی نے جواب دیا "ہم یہ بات جانتے ہیں کہ شیخ نے ہمیشہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں پر انحصار کیا ہے ،میرے خیال میں شیخ رائے عامہ کے خلاف نہیں جائیں گے اور نہ ہی عدم تشدد کی پیش رفت کے خلاف کوئی اقدام کریں گے تاہم ان کی مصر میں واپسی سے مصر میں امن وامان کی صورتحال مزید بہتر ہوجائے گی اور اس سے اسلام پسندوں کے غصے اور تناؤ کی ایک بڑی وجہ ختم ہوجائے گی۔اس سے عالمی سطح پر پیدا ہونے والی بے چینی اور کھچاؤ بھی ختم ہوجائے گا"۔

اسامہ رشدی نے اپنے انٹرویومیں ایک سودے بازی کی تجویز دی جس سے اس کے خیال میں شیخ کی رہائی سے خطے کاامن لوٹ آئے گا اور شیخ اسلامی گروپ کے مشترکہ مؤقف سے بھی اتفاق کریں گے ۔(یہ مشترکہ موقف عدم تشدد کے فلسفے پر مشتمل تھا)

مجھے یہ اتفاق رائے کہیں بھی نظر نہیں آتا کیونکہ عمر عبدالرحمن اور رفاعی طہٰ جیسے فکر کے بلند درجہ لوگ اس پیش قدمی کی مخالفت کریں گے ۔مجھے ستمبر1983ءکے پہلے ہفتے میں ہونے والا وہ واقعہ یاد ہے جب آج سے 17سال قبل جب شیخ عمر عبدالرحمن کمرہ عدالت میں بڑے استقلال اور ثابت قدمی سے کھڑا تھا اور جج سے کہہ رہا تھا"میں ایک مسلمان ہوں ،جو اپنے مذہب کے

لئے زندہ رہتا ہے اور اسی کے لئے اپنی جان بھی گنوا دیتا ہے،میں کبھی خاموش نہیں رہ سکتا اور اس صورتحال میں تو میں بالکل علیحدہ ہوکر نہیں بیٹھ سکتا جب تک اسلام کی جنگ تمام محاذوں پر لڑی جارہی ہو"۔

اسامہ رشدی نے تب ریاست اور لوگوں کا اس طرح موازنہ کیا کہ مصری ریاست ایک باپ کی طرح ہے جبکہ اس کے عوام اس کی اولاد ہیں ۔یہ ایک طرح سے نیارشتہ تھااور اس سے ایک نیانظریہ اخذ کیا جارہا تھا۔تب اس نے یہ اشارہ دیا کہ اسلامی گروپ کو مصری قوانین اور آئین کا وفادار رہناچاہیے۔اسامہ سے انٹرویو کرنے والے صحافی نے سوال کیا "اسلامی گروپ مصر کے آئین اور قوانین سے وفاداری کے اظہار کے لئے کیاضمانت دے گا اورکس طرح پتہ چلے گا کہ اسلامی گروپ مصری قانون کے تابع ہے اور اس کا احترام کرتا ہے؟"۔

اسامہ رشدی نے اس سوال کاجواب ایک ایسے سیاستدان کی طرح دیا جو مذاکرات کے دروازے کسی طور بھی بند نہ کرنا چاہتا ہو"ہمارے بھائی جیلوں میں بدترین تشدد کو برداشت کررہے ہیں،کچھ جلاوطنی کی سزا بھگت رہے ہیں اور کچھ کو دوردراز جیلوں میں سڑنے کے لئے ڈال دیا گیا ہے ۔وہ ہر قسم کی قانونی اور سیاسی امداد سے محروم ہیں ۔آپ اس موجودہ صورتحال میں ان سے کسی قسم کی ضمانت کی بات نہیں کرسکتے ۔پہلے آپ مجھے میرا حق لوٹائیے اور پھر مجھ سے ضمانت طلب کیجئے"۔

اسلامی گروپ کے ایک ترجمان نے لیبیا کے ایک میگزین کو جس کی شہرت لیبیا کے ایک متحارب اسلامی اتحاد کے ترجمان کی سی ہے ،کو یہ بیان جاری کیا کہ یہ پیش رفت ایک قانونی ضرورت ہے ۔اس کا ایک مقصد ہے جو کہ آنے والے دنوں میں پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلامی گروپ اپنے عقیدے سے دستبردار ہوجائے گا اورنہ ہی یہ جہاد کے نظریے

کے خلاف کوئی تضاد ہے۔یہ جتانے کی کوشش نہیں کہ اسلامی گروپ برسراقتدار حکومت کو تسلی دے رہا ہے یایہ کہ اس طرح گروپ حکومت کی پالیسیوں کی منظوری دے رہا ہے یا انہیں قبول کررہا ہے ۔اب ایسا کوئی نکتہ نہیں ہے کہ مسلح آپریشن جاری رکھے جائیں ۔اسلامی گروپ کو اپنے دفاع کے لئے مسلح آپریشن کرنے پر مجبورکیا گیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ایک نئی پالیسی کی تشکیل کی ضرورت ہے ،اس امید پر کہ حکومت اپنے حملے ختم کردے گی۔اگر حکومت اس پر اپنا ردعمل ظاہر نہیں کرتی تو آپریشن دوبارہ شروع کرنے کے دروازے کھلے ہیں جو جماعت آپریشن کے دروازے بندکرے گی وہ مناسب جواب نہ ملنے پر دوبارہ آپریشن بھی شروع کرسکتی ہے ۔حکومت کی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے یہ کامیابی حاصل کی ہے کہ انہوں نے "دہشت گردوں"کے مالی ذرائع ڈھونڈ کرانہیں ختم کردیا ہے۔اسلامی گروپ کی رائے حکومت کے اس ایکشن پر وکالت کرتی ہے ۔ان پالیسیوں نے اسلامی گروپ سے معاملہ طے کرنے میں اپنی اثر انگیزی کو ثابت کردیا ہے۔اب یہ توقع کی جارہی ہے کہ حکومت اب جلد ہی محسوس کرے گی کہ اسلام پسندوں اور عام آدمی کی گردن سے اب دباؤ اور تشدد کی زنجیر اتارنے کی ضرورت ہے ۔اسلامی گروپ کے پاس اختیار ہے کہ وہ مسلح آپریشن روکنے کے بارے میں فیصلہ کرسکے ۔یہ اسلامی گروپ کو اپنا نقطہ نظر تبدیل کرنے سے نہیں روک سکتا۔موجودہ حقائق اسلامی گروپ کو ہرگز یہ اجازت نہیں دیتے کہ وہ حکومت کے ساتھ تصادم جاری رکھیں۔پہلے پہل یہ امید کی جارہی تھی کہ شاید یہ پیش قدمی نتیجہ خیز ہوسکتی ہولیکن بعد ازاں یہ امیدیں برنہ آسکیں اور ان امیدوں پر اوس پڑگئی ۔اسلامی گروپ کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان اپنے خیراتی سماجی بھلائی کاموں کے ساتھ موجود رہے ۔

ایک گروپ اگر کچھ عرصے کےلئے جہادی سرگرمیوں سے ہاتھ اٹھالیتا ہے تو اس کاہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نے مکمل طور پر اپنے مذہبی فریضے سے روگردانی کی ہے ۔گروپ کے کچھ رہنماؤں کے خیال میں یہ پیش قدمی فضول ہے لیکن یہ اکثریت کی رائے ہے جس کی پیروی کی جارہی ہے۔

ڈاکٹر عمر عبدالرحمن نے ایک بیان دیا کہ "اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے تمام آپریشن روک دیئے جائیں تاہم جون 2000ءمیں ڈاکٹر نے جیل سے ایک بیان دیا جسے اس کے وکیل نے جاری کیاکہ شیخ عمر عدم تشدد کی پیش قدمی کی حمایت سے دستبردار ہونے کا اعلان کرتے ہیں کیونکہ ا س سے اسلام پسندوں کو کوئی مثبت جواب یا فائد حاصل نہیں ہوا۔وکیل لائن اسٹیوارٹ نے کہا کہ شیخ کہتے ہیں"کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ہے اور لوگ ابھی تک جیلوں میں زیر حراست ہیں۔ملٹری ٹریبونلز ابھی تک لوگوں کے مقدمات کی سماعت کررہے ہیں اور ابھی بھی لوگوں کو سزائے موت سنائی جارہی ہے۔

ڈاکٹر عبدالرحمن کا صورتحال کا واضح تجزیہ دراصل رہنماؤں کالیمان طرۃ جیل سے جاری ہونے والے تیسرے بیان کا واضح تھا،جس میں انہوں نے کہاکہ وہ اپنے اس بیان پر قائم ہیں کہ مسلح آپریشن بندکئے جائیں اورکوئی ایسا بیان اندرون ملک یا بیرون ملک جو ا س نوع کے آپریشن کی ترغیب دے وہ غلط ہے ۔انہوں نے محسوس کیا کہ یہ اعلان حکومتی ایجنسیوں سے کسی مفاہمت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں اور شریعت کے مفاد میں ہے۔

متعدد ایام کے بعد مستنصر الزیات نے اپنے دفتر میں ایک پریس کانفرنس بلائی جس میں اس نے شیخ عبدالرحمن کے اس بیان کے بارے میں جو اس کی وکیل نے اخبارات کو دیاتھا شکوک وشبہات پیدا کردیئے ۔اس نے صحافیوں کو شیخ عبدالرحمن کا وہ خط دکھانے سے انکار کردیا جو مبینہ طور پر انہوں نے لیمان

طرۃجیل میں قید اسلامی رہنماؤں کے نام لکھا تھا ۔الزیات نے صحافیوں کو بتایا کہ جیل میں قید اسلامی رہنماؤں نے شیخ عمر کے نام ایک پیغام ارسال کیا ہے جس میں انہوںنے امن کی پیش رفت بارے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے اور اس خط پر درج ذیل رہنماؤں کے دستخط ثبت ہیں ۔ان میں ناجح ابراہیم وعلی الشریف،عصام دربالا وحمدی عبدالرحمن ،فواد الدوالی ،کرم زہدی اور عاصم عبدالماجد شامل تھے ۔الشرق الاوسط اخبار نے اس خبر کو بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہعبود الزمر نے اس خط پر دستخط نہیں کئے تھے ۔

ایک ہفتے سے بھی کم مدت کے دوران اخبارات نے شیخ عمر عبدالرحمن کا بیان شائع کیا جو انہوں نے گروپ کے رہنماؤں کے جواب میں دیا تھا ۔الشرق الاوسط نے اس کو یوں رپورٹ کیا :مصر کے سب سے بڑے بنیاد پرست گروپ اسلامی گرو پ کے روحانی پیشوا عمر عبدالرحمن نے امن کیلئے پیش رفت کی حمایت واپس لے لی ہے۔امن کے لئے پیش رفت اور مسلح آپریشن روک دینے کا اعلان اسلامی جیل میں قید رہنماؤں نے کیا تھا۔عمر عبدالرحمن نے کہا کہ اب وہ اس امن کے لئے کی جانے والی پیش رفت کی حمایت نہیں کرتے "۔مجھے بتایا گیا کہ میری امریکی وکیل نے میری طرف سے ایک بیان دیا تھا ،میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ بیان درست تھا اورمیں نے ہی دیا تھا ۔میں نے امن کے لئے پیش رفت کو منسوخ نہیں کیا لیکن میں نے اس کی حمایت واپس لے لی ہے اور اب میں نے یہ اپنے ساتھیوں پر چھوڑدیا ہے کہ وہ اس بحث وتمحیص کا آغاز کریں اور فیصلہ کریں کہ یہ پیش رفت کس حد تک فائدہ مند ہے۔عمر عبدالرحمن نے علی الاعلان کہا کہ تمام بیانات جو میرے نام سے منسوب کرکے شائع کئے گئے وہ درست تھے اورانہیں میں نے ہی جاری کیا تھا۔

یہاں یہ ضروری محسوس ہوتاہے کہ کچھ توقف کیاجائے اور ان آسانیوں اورسہولتوں کو ایک نظر دیکھاجائے جو مستنصر الزیات حکومت کے زیر انتظام عمل میں لاسکتا تھا۔قیدیوں سے ملاقات پر چار سال تک لے لئے پابندی عائد کردی گئی ۔متعدد قیدیوں کو جیل کے اندر ہی تشدد کرکے ہلاک کردیا گیا اور امام مسجدوں اور تبلیغ کرنے والوں کو قانون کے آرٹیکل201 کے تحت پابند کردیا کہ وہ حکومت اور انتظامیہ کے فیصلوں اور قوانین کے خلاف احتجاج نہیں کرسکتے اورنہ ہی کسی قسم کی آواز بلند کرسکتے ہیں ۔ملک آہستہ آہستہ ایمرجنسی قوانین کے تحت کمزور ہورہا ہے ۔متعددممالک میں سے نوجوانوں کو اغوا کیا جارہاہے اورانہیں واپس مصر لایا جارہاہے ۔حکومت ان کی واپسی کو مہینوں چھپاتی ہے ۔حکومت نے احمد سلامہ اور عصام محمد حافظ کے کیس میں ایسا ہی کیا ۔کبھی کبھار حکومت یہ بھی چھپالیتی ہے کہ کس ملزم کے ساتھ حکومت کیاکرنے جارہی ہے ؟جیساکہ حکومت نے طلعت فواداور برادر محمد الظواہری کے کیس میں کیا جبکہ یہ سب کچھ جاری ہے ۔اس صورتحال میں مستنصر الزیات نے لیمان طرہجیل کا دورہ کیا اور وہاں اسلامی گروپ کے رہنماؤں سے ملااورانہیں عمر عبدالرحمن کا ایک خط تقسیم کیا اور اس خط کے جواب میں اس نے ان کا رد عمل حاصل کیا اور ان سے شیخ عمر کے لئے ایک خط بھی حاصل کیا ۔وہ اسی روز جیل سے لوٹا اور آتے ہی اخبارات سے رابطہ کیا اورانہیں اس بیان کے بارے میں بتایا جو جیل میں قید رہنماؤں سے لیا گیا تھا۔اس نے اخبارات کو اس خط کے بارے میں بھی اسٹوری فراہم کی جو اس نے ان رہنماؤں سے شیخ عمر کے لئے حاصل کیا تھا،اس کے بعد اس نے ایک پریس کانفرنس کی (ذرا اس کی ہوشیاری کا اندازہ لگائیے !!)اور ان خطوط پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔اس نے صحافیوں کو اس خط کا مضمون بتانے سے انکار کردیاجو شیخ عمر کے لئے جیل میں بند رہنماؤں سے حاصل کیا گیا تھا۔اس خط

کے مواد بارے امریکی خفیہ ایجنسیاںاور دوسری خفیہ ایجنسیاں جانتی تھیں کیونکہ خط میں موجود مواد بارے انہیں ایک بریفنگ دی گئی تھی اور خط بھی دکھایا گیا تھا تاہم مصری عوام کے بارے میں فرض کیا گیا کہ انہیں اس خط میں موجود سچی باتوں بارے آگاہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

کیا یہاں آپ کو تھوڑا توقف نہیں کرنا چاہیے؟سوچیے اور پوچھیے!کیوں؟مستنصر الزیات جب اپنی اس برتر حیثیت سے لطف اندوز ہورہاتھا کہ نیویارک شہر کے اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ اٹارنی پیٹرک نے شیخ کی وکیل لائن اسٹیوارٹ کو ایک خط ارسال کیا ۔یہ خط اس نے شیخ کا دفاع کرنے والی ساری ٹیم کے ارکان کو تحریر کیاتھااور اس خط میں اس نے ان سب پر تحریری حکم نامے کے ذریعے شیخ سے ملاقات یا فون پر بات کرنے پر پابندی عائد کردی تھی ۔یہ اس وقت ہوا جب لائن اسٹیوارٹ نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی تھی۔اس نے یہ پریس کانفرنس شیخ کی درخواست پر بلائی تھی ۔جب صحافی اکٹھے ہوئے تو اس نے پرہجوم پریس کا نفرنس میں انکشاف کیا تھا کہ شیخ نے مسلح آپریشن ختم کرنے والااپنا بیان واپس لے لیا ہے ۔ذرا ملاحظہ کیجئے کہ مصر اور امریکہ کے موقف میں کتنی ہم آہنگی ہے۔

رفاعی احمد طہٰ نے بھی اس پیش رفت بارے تبصرہ کیا۔اس نے اسے مسترد کردیاتھاجب پہلے پہل شیخ نےمسلح جدوجہد کو روک دینے کا اعلان کیاتھا ۔اس نے اخبار ”الشرق الاوسط“کو بتایا کہ اسلامی گروپ کے روحانی پیشوا عمر عبدالرحمن جو کہ امریکی جیل میں زیر حراست ہیں ،ان کے بارے میں بات کرنے اور دھمکیاں دینے کی پالیسی ختم ہوچکی ہے،ہم امریکہ سے اس زبان میں بات کریں گے جو زبان ہو بخوبی سمجھتا ہے،ہم ان زنجیروں کو توڑ کر انہیں رہا کروالیں گے ۔میرا یقین ہے کہ ایسا وقت جلد آرہا ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ اگر اسلامی گروپ نے ماضی کی غلطیاں دہرائیں تو اس پر طہٰ نے کہا تمہارا سوال اگر میں صحیح سمجھاہوں تو یہ ہے کہ اسلامی گروپ نے اپنا طریقہ کار تبدیل کرلیا ہے اور اپنی ماضی کی غلطیاں دہرا رہا ہے تومیرا جواب یہ ہے کہ "اسلامی گروپ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس سے ماضی میں کوئی غلطیاں نہیں ہوئیں ،یہ ان کی طرف سے جہاد کا اعلان ہویا کچھ اور اسلامی گروپ نے کوئی غلطی نہیں کی ۔

مستنصر الزیات نے فوری طور پر ایک پریس کانفرنس بلائی جس میں اس نے احمد طہٰ کی باتوں کاجواب دیا ۔مستنصر الزیات نے کہا"اسلامی گروپ کے رہنما طہٰ کا بہت احترام کرتے ہیں اور گروپ کے مختلف امور اور ذمہ داریوں کی انجام دہی میں ان کے کردار کو سراہتے ہیں لیکن فی الوقت اس نے جن خیالات کا اظہار کیاہے ،یہ اس کے اپنے ذاتی خیالات ہیں ۔انہیں پورے اسلامی گروپ کے خیالات پر منطبق نہیں کیاجاسکتا ۔

الزیات نے یہ بات نوٹ کی کہ گروپ کے اہم فیصلے مصر کی جیلوں میں موجود اس کے رہنماکرتے ہیں اور ان فیصلوں میں ملک گروپ کی شوریٰ کونسل کو بھی شریک کیاجاتا ہے جس کی صدارت مصطفی حمزہ کرتے ہیں ۔اس نے محسوس کیا کہ اس طرح کا طریقہ کار اختیار کیاجاتا ہے کہ تمام اہم فیصلے باہم پیغام رسانی کے ذریعے اتفاق رائے سے کئے جاتے ہیں ۔

کرم زہدی نے بھی اس پیش رفت پر تبصرہ کیا ۔ایک پریس کانفرنس میں مستنصر الزیات نے یہ کہتے ہوئے کرم زہدی کا حوالہ دیا"اگر جنگ اورمسلح مزاحمت بھی اسلامی گروپ کو اس کے مقاصد کے حصول میں مددگار ثابت نہیں ہوتی توپھر آپریشن کے دیگر طریقے استعمال کرکے دیکھے .....اگر یہ بیان واقعی کرم زہدی کی طرف سے آیاتھا تو اس کا یہ مطلب تھاکہ اسلامی گروپ

جنگ کو آپریشن کے ایک طریقے کے طور پرمسترد کررہی ہے اور مسلح آپریشن کے بارے مصر کے اندر اور باہر اپنی وکالت کو خود ہی مسترد کررہی ہے ۔یہ کس چیز کے تبادلے میں کیا گیا ۔اس کا متبادل کیا ہے؟کیا یہ اسلامی گروپ کا جہاد کے متبادل یا جہاد کی ترغیب کا کوئی طریقہ ہے ۔

مستنصر الزیات بھی اسلامی گروپ کے نام پر بیان بازی کرتا رہا۔جب ہم اس شخص کے بارے میں بات کریں توہمیں‌متعددباتوں کو اس دوران ذہن میں رکھنا ہوگا۔

(الف): مستنصر الزیات ایسا شخص ہے جومصری حکومت ،یہودی لابی اور امریکہ کے خلاف مسلح جدوجہد کے نظریے کی نفی کرتا رہا۔عبدالحلیم موسیٰ کے وزارت داخلہ کے عرصے میں مستنصر الزیات نے اس مسئلے بارے میں ہرقسم کی پیغام رسائی اور ابلاغ میں حصہ لیا۔

(ب) کوئی بھی غیر جانبدار مستنصرالزیات کے اس خصوصی عہدے اور اختیار کو نوٹ کرسکتا ہے جو بڑے بڑے وزیروں کو نصیب نہیں ہوا ،وہ جس دن چاہتا ملک بھر میں موجود تمام تر سیکورٹی انتظامات کو عبور کرتے ہوئے ہوئے کہیں بھی کسی جیل میں پہنچ سکتا تھا۔وہ جیل میں جاکر خطرناک ملزموں اور حکومت کے سخت مخالفین کے ساتھ مذکرات کرتا تھا۔اس دوران وہ انہیں باہر کی دنیا سے آنے والے پیغامات دیتا اور ان سے باہر کی دنیاکے لئے پیغامات وصول کرتا تھا،پھر وہ ان پیغامات کو وسیع ترمقاصد کے حصول اور پراپیگنڈہ کے لئے اخبارات کو جاری کرنے کے لئے پریس کانفرنسوں کا انعقاد کرتا ۔اس کا اعلان تھاکہ وہ جیل میں بند اسلامک گروپ کے رہنماؤں کا ایجنٹ ہے ۔وہ اپنی اسی حیثیت میں ریڈیو اور مختلف ٹیلی ویژن چینلوں کو انٹرویو دیتا۔

درحقیقت مستنصرالزیات جیل میں بند رہنماؤں اور بیرونی دنیا میں موجود اسلامی گروپ کے رہنماؤں کے درمیان رابطہ تھا ۔جیل سے جو بھی بیان آتے یا جیل میں بند لیڈروں کو جو کچھ بھی بتاناہوتا ،اس کا انحصار مستنصر الزیات پر تھا ۔وہ جو کچھ بتاتا،اسے ماننا ہی پڑتاکیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں تھا ۔مستنصر الزیات کی تمام حرکات وسکنات اور کوششوں کو جیل میں بند رہنماؤں کی حمایت حاصل تھی اور اسی پشت پناہی کی وجہ سے وہ ان کی اتھارٹی بھی استعمال کرتا تھا۔اتھارٹی کے استعمال کے بہت سے مظاہرے متعدد موقعوں پر دیکھنے میں آئے ۔

5جنوری 1998ءکو الزیات نے اعلان کیا کہ وہ اپنی اس سیاسی مصروفیات سے مکمل ریٹائرمنٹ لے رہا ہے۔اب وہ جیل میں بند مذہبی رہنماؤں کی مزید ترجمانی نہیں کرے گا۔اس نے اس ریٹائرمنٹ کی وجوہات یہ بیان کیں کہ ملک سے باہر اسلامی گروپ کے رہنما ہر وقت اسے نیچا دکھانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں اور انہوں نے تشدد روکنے کے اس فارمولے کا بھی کوئی مثبت جواب نہیں دیا ۔اس موقع پر اس نے ایک بیان جاری کیا کہ ابھی تک میرے ملک میں تشدد کی حکمرانی اورابھی تک سیاسی موسم بھی پیچیدہ ہے۔میں‌نے دوسرے لوگوں کے باہم اشتراک سے تشدد کے خاتمے اورامن کے فروغ کے لئے ایک کوشش کی تھی تاکہ خون خرابے سے بچا جاسکے ،میں کبھی کرائے کاوکیل نہیں رہا ،جس نے رقم لے کر وکالت کی ہو لیکن میں نے اسے ایک پیغام کے طور پر سر انجام دیا ۔میں اس بارے میں بہت سے لوگوں سے بحث ومباحثہ کرتا رہا ہوں اور خاص طور پر میری گفتگولیمان طرہ جیل میں سزائے موت کے منتظر قیدیوں سے ہوتی رہتی ہے۔یہ قیدی صدر سادات کے قتل کے مقدمے میں‌ملوث تھے ۔

صدر سادات کے قتل میں‌ملوث قیدیوں سے میری امن کے موضوعات پر بڑی طویل نشستیں ہوئیں لیکن یہ تمام نشستیں بموں کے دھوئیں اور گولیوں کی آوازوں میں دب کر رہ گئیں،جس مقصد کے ساتھ میں نے اپنے کام کا آغاز کیا تھا اورجس مقصد کے حصول کے لئے میں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ وقف کئے رکھاوہ ابھی تک لوگوں پرواضح نہیں ہوسکاحالانکہ میں نے اس دوران بہت زیادہ دباؤ برداشت کیا اور میں اس دوران کانٹوں پر چلتا رہا۔

میں نے 20سال تک بارودی سرنگوں کے اوپر سفر جاری رکھا ۔اس دوران میں حکومت اورمذہبی رہنماؤں کے مابین فٹ بال بنارہا اوربری طرح پھنسا رہا ۔اپنے مقاصد خود مجھ پر بڑے واضح تھے ۔میں جب 1984ءمیں جیل سے رہا کیا گیا تو تب سے لے کر اب تک میرا کام میری تقاریر سب کچھ مجھ پر واضح ہے۔

مستنصر اپنے بیان میں مزید کہتا ہے ”میں ملک سے باہر اسلامی گروپ کے رہنماؤں کی نادانی کی وجہ سے سخت مصیبت میں پھنسا رہا ۔ان رہنماؤں میں جراءت کا فقدان ہے کہ وہ مسلح جدوجہد کے بارے میں کوئی متفقہ قرارداد پاس کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے اورنہ ہی ان میں یہ قابلیت ہے کہ وہ ایکشن کے کوئی نئے طریقے ڈھونڈسکیں۔ہر نظریے کو عملی جامہ پہنانے کےلئے نئے طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں ۔ہر نظریے کی اپنی حکمت عملی ہوتی ہے ۔ان تمام رکاوٹوں کے باوجود تشدد کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے کیونکہ اس میں ہمیشہ معصوم افراد کی جانیں تلف ہوتی ہیں جیسا کہ الاقصرکے واقعہ میں ہوا۔
مستنصرالزیات کے بیان کا اگر بغور جائزہ لیاجائے تویہ بات کھل کرسامنے آتی ہے کہ وہ جہادی تحریک سے ذہنی اور نظریاتی طور پر وابستہ نہیں ہے اورنہ ہی وہ جہادیوں کے اس نقطہ نظر سے اتفاق کرتاہے کہ مسائل کا حل جہاد کے طریقے میں مضمر ہے ۔وہ جہاد کو بطور طریقہ استعمال کرنے کے حق میں نہیں ہے وہ

بیان کرتا ہے کہ اس نے تشدد کو ختم کرنے کی کوشش کی ۔اس کا بیان ظاہرکرتا ہے کہ وہ جہاد کو تشدد سمجھتا ہے ۔وہ کہتا ہے کہ اس نے امن بحال کرنے کی کوششیں کیں لیکن یہ کوششیں بارود کے دھوئیں کی نذر ہو گئیں۔

باب نمبر8

مسلم برادرز (ایم بی)نامی تنظیم بطور ایک تنظیم کے پھل پھول رہی ہے لیکن جہاں تک اس کے نظریات کا تعلق ہے ،یہ نظریاتی طور پر اور سیاسی لحاظ سے خودکشی کی جانب گامزن ہے ۔ایم بی کی تاریخ غلطیوں اور ناکامیوں سے بھری پڑی ہے۔اس پر میں نے ایک کتاب تحریر کی جس کا عنوان تھا"مسلم برادرز کے 60سال"۔اس پر مجھے مسلم برادرز کے حلقوں میں شدیدتنقید کا نشانہ بنایا گیااور یہ بھی کہا گیا کہ اس کتاب میں ایم بی کے بانی افراد کی تذلیل کی گئی ہے اور ایم بی کے رہنما شیخ حسن البناءکی بھی بے عزتی کی گئی ہے۔میری وہ کتاب دراصل ایک انسان کے اندازوں او رقیاس پر مشتمل ہے جو کہ غلط بھی ہوسکتے ہیں۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ایم بی جدید عہد کی سب سے بڑی اسلامی تحریک ہے ۔یہ عرب دنیا میں قائم ہونے والی پہلی تحریک ہے ۔ایم بی نے زبردست مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود پھیلاؤ اور وسعت کا عمل جاری رکھا۔اس کے باوجود کہ ایم بی کی راہ میں حالات وواقعات نے روڑے اٹکائے ،اس کا راستہ روکا گیا لیکن ان تمام ترمصائب وآلام کے باوجود اس میں وسعت کا عمل جاری رہا لیکن اب ایم بی مسلم دنیا اور مصر میں جس مقام تک پہنچ گئی ہے اب اسے ذرا رک کر اپناجائزہ لینا ہوگاکہ اس کے قیام سے اب تک اس نے کیاکھویااورکیا پایا؟قیام سے اب تک پورے عمل کے ایک جائزے کی ضرورت ہے ۔میں قبل ازیں بھی یہ بات کہہ چکا ہوں اور اب پھر میں کہتا ہوں کہ تنظیمی طور پر اس میں روز بروز وسعت آتی جارہی ہے لیکن نظریاتی طور پر اور سیاسی لحاظ سے اگر دیکھاجائے تو یہ خودکشی کررہی ہے ۔

ایم بی کی سیاسی خوکشی اورنظریاتی موت کی جانب بڑھنے کے عمل کا آغاز اس وقت ہو اجب ایم بی نے 1987ءمیں صدر مملکت حسنی مبارک کے ساتھ وفاداری کا عہدکیا ۔یہ سال ایم بی کی سیاسی خودکشی کے نقطہ آغازکا سال تھا ۔گویا ایم بی نے حسنی مبارک سے وفاداری کا عہد کرکے اپنا سارا شاندار ماضی جدوجہد اور قربانیوں سے عبار ت ماضی بھلادیا۔اس ماضی میں شہداءکا خون تھا،قیدیوں کے گھاؤ تھے جو انہوں نے اپنے نظریات کے لئے اپنے جسم پر سہے ۔حکومتی تشدد سے تنگ آکر کسی علاقے میں محصور ہونے والوں کے درد تھے لیکن ایم بی نے سب کچھ بھلادیا ،نہ صرف یہ بلکہ ایم بی اپنے عقیدے اوراپنے اصولی موقف سے بھی پھر گئی ۔ایم بی اپنی تاریخ سے روگردانی کررہی ہے۔ایم بی ایک ایسی نسل پیداکررہی ہے جو صرف عالمی صورتحال کے بارے میں سوچے گی اور یہ سلسلہ مستقبل میں بھی جاری رہے گا۔یہ تھی ایک اہم وجہ جس کے لئے کتاب "ایم بی کے 60سال" تحریر کی گئی۔

کتاب کو شائع ہونا تھا کہ ایک طوفان امڈآیا ۔مجھ پر تنقیدکے نشتر چلائے ۔طعن زنی کے طومار باندھے گئے ۔میرے کچھ بھائیوں نے مجھے کہا کہ چند باتیں کہاکہ چند باتیں ایسی تھیں جواس کتاب میں نہیں جانی چاہئیں تھیں ۔کچھ نے اس کتاب کو سراہا ،انہیں میرے ساتھ اور ایم بی کے ساتھ اپنے ذاتی اور تنظیمی تعلق پر فخر ہے ۔کچھ کا خیال ہے کہ یہ کتاب لکھنا ایک غیرمنصفانہ کام ہے کیونکہ اس میں ایم بی کی صرف غلطیاں درج کی گئی ہیں جبکہ اچھی باتیں تحریر نہیں کی گئیں حالانکہ ایم بی کی فہرست میں متعدد کارنامے اور اچھے کام بھی ہیں ۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے شیخ حسن البناءکی توہین کی ہے۔یہ بات نامناسب ہے ،کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی پر اس نوع کے نامناسب الزامات عائد کرے ۔کون اسلامی تحریک سے وابستہ رہا اورکون شیخ البناءکی خوبیوں سے زیادہ واقف ہے ؟میں نے ان پر اپنادرج ذیل رد عمل ظاہر کیا۔

(الف)	یہ کتاب ایک انسان نے اپنی فہم کے مطابق تحریر کی ہے ۔اسے انسانی غلطیوں سے پاک نہیں کہاجاسکتاکیونکہ انسانی اندازوں میں غلطی کی گنجائش موجود ہوتی ہے اورغلطیاں انسان کی اپنی کوتاہی بھی ہوسکتی ہے۔

(ب)	آپ بھی مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ایم بی نے شدید غلطیاں کی ہیں اور یہ غلطیاں جرائم کے مترادف ہیں اور ان جرائم کی سزاملنی چاہیے ۔انہوں نے بہت سے اچھے کام بھی کئے ہیں اور یہ اچھے کام ان کو اولیاءکے مرتبے پر فائز کرتے ہیں ۔میں اس امر کا منتظررہاکہ ایم بی اپنی غلطیوں کی اصلاح کرے اور یہ نشان دہی میں نے نوجوان نسل کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کے لئے کی کیونکہ میں نے ان کی جانب سے ہمیشہ تنقید ہی وصول کی جو وہ اپنے ذاتی جلسوں میں مجھ پر کرتے رہے ہیں۔

(ج)	میری کتاب ایم بی کاکوئی حتمی جائزہ نہیں ہے۔اس لئے اس میں ان کے اچھے کاموں پر نہیں لکھا گیا۔ یہ اس لئے کہ کتاب کاعنوان کوئی اس طرح کا نہیں تھا کہ "مسلم برادرز توازن میں "میری کتاب ایک انتباہ ہے ۔یہ انتباہ خاص طور پرنوجوان مسلمانوں کے لئے ہے ۔

میں نے ایم بی کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا ہے ۔میں نے کتاب میں لکھا ہے کہ میں ایک سرجن کی طرح ہوں ۔جوکہ ایک ایسے مریض کا علاج کررہا ہے جو معدے کے کینسر میں مبتلاہے اور یہ کینسر اسے ہلاک بھی کرسکتا ہے ۔کسی ڈاکٹر کے لئے یہ مناسب نہیں ہوتا کہ وہ اس مریض کو بتائے کہ آپ کا دماغ بہت اچھاکام کررہا ہے ،آپ کے دل کاکام بہت اچھا ہے یا یہ کہ آپ کے گردے درست کام کررہے ہیں اور سب اعضاءدرست ہیں ،سوائے معدے کے جس میں کہ کینسر ہے۔ڈاکٹر کا فرض ہے کہ وہ مریض کو بتائے کہ وہ اس موذی مرض سے ہلاک ہوسکتا ہے ،اسے فوری طور پر اس کا علاج کرواناچاہیے بصورت دیگر وہ

موت کے منہ میں چلاجائے گا اور اگر اس نے اپنے کینسر کا علاج نہ کروایا تو وہ تما م اعضاءکے درست کا کرنے کے باوجود موت کی گھاٹی میں اترجائے گا۔

(د) میں اس امر کی تردید نہیں کرتا کہ کتاب میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو یا توحذف کردینی چاہئیں یا ان میں ترمیم کرنی چاہیے جیسا کہ یہ بیان "یہودی 1948ءسے فلسطین میں ہیں لیکن ایم بی نے انہیں 44سال تک کبھی تنگ نہیں کیا۔اس لئے کہ حکومت نے انہیں کبھی ایسا کرنے کی اجازت ہی نہیں دی ۔میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ ایم بی یہودیوں سے لڑتی رہی اور یہ کہ ان کے نوجوان ابھی تک یہودیوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں۔میں اس بات کی بھی تردیدنہیں کرتا کہ کتاب میں کچھ غیر ضروری ضرب الامثال بھی ہیں تاہم اگر ان ضرب الامثال کو کتاب سے حذف بھی کردیاجائے توکتاب کے موضاعاتی تاثر پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔میں اس کتاب کو دو مرتبہ پڑھ چکا ہوں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کانظرثانی کا دوسرا ایڈیشن آنا چاہیے ۔میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں میری مدد بھی فرمائے گا یا نہیں کہ میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا بھی سکوں گاکہ نہیں ۔

جہاں تک شیخ حسن البناءپر میری تنقید کا تعلق ہے تویہ بات میں نے دووجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے کی ۔پہلی بات یہ کہ شیخ حسن البناءایک تاریخی عوامی شخصیت ہیں۔ان کا ایم بی کے حوالے سے جائزہ لیا جانا چاہیے۔میں شیخ حسن البناءکو تنقید سے پاک کوئی مقدس ہستی یا ولی اللہ نہیں سمجھتاجیسا کہ دیگر مسلمان انہیں سمجھتے ہیں اورنہ ہی میں انہیں کوئی مغالطے میں ڈالنے والی یا کوئی جعلی شخصیت سمجھتا ہوں جیسا کہ سیکولر اور کمیونسٹ ان کے بارے میں گمان کرتے ہیں ۔میں نے ان کی شخصیت اورکام کا اپنی قابلیت اور ذہنی صلاحیت سے مطالعہ کرنے اور جائزہ

لینے کی کوشش کی ہے ۔ان کے بارے میں اور ایم بی کے بارے میں تجزیہ کرتے وقت میں نے اپنی بہترین صلاحتیوں کا اظہار کیا ہے ،اس سے زیادہ صلاحتیوں کا مظاہرہ شاید میں نہیں کرسکتاتھا۔اس ضمن میں قابل افسوس بات یہ ہے کہ ایم بی ے کسی رہنما نے میرے اٹھائے جانے والے سوالات کے جواب دینے کی کوشش نہیں کی ۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حسن البناءؒ کے بعد آنے والوں نے اسی کے نقش قدم کو اپنایا،ان کا خیال تھا کہ کیونکہ حسن البناءؒ نے یہ کیا تھا اور وہ ہمارے پیش رو تھے اس لئے ہم صحیح کام کررہے ہیں ۔یہ ضروری تھا کہ حسن البنائa نے جو کہا اور جو کیااس کومثال بناکر اس کا جائزہ لیا جاتا۔

(ذ) تاہم اس کتاب کی اشاعت کے بعد ایم بی نے متعدد افسوس ناک نظریاتی غلطیاں کیں انہوں نے بیانات جاری کئے ۔اس میں یہ بیان بھی جاری کیا جس کا عنوان تھا "ایم بی کاعوام کیلئے بیان"انہوں نے ایک نئی فقہ کے بارے میں بیان بازی شروع کردی ۔ہمارے بھائی احمد عبدالسلام شاہین نے اپنی کتاب "فتح الرحمن فی الرعه البیان الاخوان"میں ان بیانات پر اپنا رد عمل ظاہر کیا۔

ایک سابقہ بیان میں ایم بی نے کہا کہ ایم بی اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ عیسائیوں کو اس ریاست میں کسی بھی عہدے پر فائز ہونے کا حق حاصل ہے ،سوائے ریاست کے صدرکے عہدے کے ،کیوں؟دوسرے لفظوں میں ایم بی کو اس بات پر اعتراض نہیں کہ ملک کاوزیر اعظم بھی عیسائی ہو ۔پھر یہودی وزیر اعظم کے بارے میں کیاخیال ہے؟ان کا دعویٰ ہے کہ یہ معاملہ ایک سیاسی پروپیگنڈہ ہے،کوئی حتمی اصول نہیں۔

(ر) ایم بی نے عام طور پراپنے لئے ایک خاموش کردار کا انتخاب کرلیا ہے یعنی ایم بی نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا ہے حالانکہ جہاد اسلام کے عظیم ترین فرائض میں سے ایک ہے۔ یہ انہوں نے اس وقت کیا جبکہ پوری قوم آفتوں میں گھری ہوئی ہے اور امریکہ اور یہودیوں کا ہماری زمین پر قبضہ ہے ۔

(س) ایم بی کے نوجوانوں کو اپنے معاشروں میں ایک درست نشاۃ الثانیہ کا انقلاب برپا کرنا ہوگا اورانہیں مجاہدین کی صف میں کھڑاہوناہوگا۔

(ش) ایم بی کے نوجوانوں کو یقینی طور پریہ محسوس کرنا ہوگاکہ نئے صلیبی حملہ آور اس وقت تک ان سے خوش نہ ہوں گے جب تک وہ کافروں کا عقیدہ نہ اپنالیں۔اسلام کے نوجوانوں کے لئے یہ بہتر ہوگاکہ نیو ورلڈ آرڈر کے تحت ذلت آمیز زندگی گزارنے کی بجائے ہتھیار اٹھالیں اور فخر کے جذبے سے شرشار ہوکر اپنے دین کا دفاع کریں ۔

(ص) جہادی قوتیں ایک جگہ جمع ہورہی ہیں اور مغربی کفار اور ان کے ایجنٹوں کے خلاف جنگ کے لئے ایک نئی حقیقت کا نمونہ پیش کررہی ہیں ۔صدر سادات کے قتل کیس میں ملوث 302ملزموں میں سے 194ملزموں کی رہائی اسلام پسندوں سے زیادہ سیکورٹی سروسز کے لئے حیران کر دینے والی بات ہے ۔ایم بی نے صدر سادات کو یہ یقین دلاکر بنیاد پرستی کی تحریک سے حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔حکومت وقت کو دھوکہ دیا ۔مصر کی گلیوں اور بازاروں میں ہونے والے واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ بنیاد پرستی کی تحریکیں تبدیلی کو متعارف کروانے کے اہل ہیں۔

الجماعت الاسلامیہ کے روحانی پیشوا عمر عبدالرحمن آج کل امریکہ میں قید کی سزا بھگت رہے ہیں ۔ان پر الزام ہے کہ وہ 1993ءمیں نیویارک میں ہونے والے بم دھماکوں میں ملوث ہیں۔جب انوسٹی گیشن کے دورانیے کا خاتمہ ہوا اور پراسیکیوٹر نے اپنی تفتیش مکمل کرلی توملزموں کو عدالت میں ایک بڑے مقدمے میں پیش کیا گیاجو کہ مصر کی عدالتی تاریخ کا سب سے بڑا مقدمہ تھا۔پراسیکیوٹر نے تین 302ملزموں کے مقدمات عدالت میں بھیج دیئے جبکہ مقدمات پر عدالتی کاروائی کا آغاز صدر سادات کے قتل کے تقریباً دوسال بعد ہوا۔عدالتی کاروائی بڑی انوکھی اور حیرت انگیز تھی لیکن اس عدالتی کاروائی میں دومقدمات بہت اہم تھے ۔پہلا واقعہ ڈاکٹر عمر عبدالرحمن کی معروف گواہی (شہادت)تھی جوکہ تین دن تک جاری رہی جبکہ دوسرا واقعہ شیخ صلاح ابواسماعیل کی تاریخی گواہی (شہادت)تھی۔

شیخ عبدالرحمن نے بعد ازاں اپنی شہادت(گواہی)پر مبنی کتاب ”اے ورڈ آف ٹرتھ“کے نام سے شائع کی ۔ڈاکٹر عمر عبدالرحمن نے شریعت اور جہاد (مقدس جنگ)کے الفاظ کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس میں انہوں نے قرآن وسنت ،نبی اکرم ﷺکے فرمودات اور قوم کے مذہبی اسکالروں کے اتفاق رائے کی مثالیں دیں۔انہوں نے پراسیکیوٹر کے استغاثے اور الازہر کی رپورٹ جس کا پراسیکیوٹر نے حوالہ دیا تھا پر اپنا تفصیلی جواب ریکارڈ کرایا۔اس گواہی نے ڈاکٹر عمر عبدالرحمن کی قانونی پوزیشن کو خطرہ میں ڈال دیا کیونکہ اس میں جہاد کی حمایت میں شہادت موجود تھی ۔عدالت کے جج نے انہیں انتباہ کیا کہ اس کے الفاظ انتہائی خطرناک ہیں اور یہ بھی کہا کہ اس کے وکیل کے الفاظ کو کوئی اور معنی پہنائے جاسکتے ہیں لیکن اس کے الفاظ کو نہیں لیکن ڈاکٹر عمر عبدالرحمن نے اسلام کی کاز کی حمایت جاری رکھنے پر اصرار کیا اورکہا کہ وہ اسلام کے عظیم ترمقاصد پر اصرار کرتے رہیں گے ،بے شک اس میں انہیں سزا

ہی کیوں نہ سنادی جائے ۔نہ صرف یہ بلکہ اس نے یہ کہہ کر جج کو بھی مصیبت میں ڈال دیا کہ جج بھی مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اور ناانصافی کا ذمہ دار ہے۔انہوں نے جج سے کہا کہ وہ اللہ کی پکڑ سے ڈرے اور اس کے مقدمے کا فیصلہ شریعت کو سامنے رکھ کر کرے ۔

ڈاکٹر عمر عبدالرحمن کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حکومت کو بھولا ہوا سبق اور اللہ کا پیغام یادلانے کا یہ ایک ایسا موقع ہے جسے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے ۔اس کی گواہی اپنے بھائیوں کے دفاع کیلئے ایک بہترین گواہی تھی کیونکہ اس مقدمے کا فیصلہ سزائے موت ہی متوقع تھا ۔اس موقع پریہ ضروری بھی تھا کہ اس کے ساتھیوں کی عظیم مقاصد کے لئے دی جانے والی قربانی کو منظر عام پرلایا جائے۔

میں عمر عبدالرحمن کے مقدمے کے دوران جاری کئے جانے والے بیان سے کوئی نتیجہ نکالنے سے قبل کچھ دلائل پر ضرور بحث کروں گا جو انہوں نے انتہائی کھرے لہجے میں اورصاف گوئی سے بیان کئے ۔ان دلائل نے انہیں مشکل میں ڈال دیا کیونکہ پراسیکیوٹر نے ان کے بیان کو ان کے خلاف بطور شہادت پیش کرکے ان کی سزائے موت کا مطالبہ کیا لیکن وہ مجاہدوں کااسکالر اور اسکالروں کامجاہد تھا۔

شیخ عمر نے کہا"پراسیکیوٹر کا کہانا ہے کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ طاقت(اختیار)صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے وہ لوگ خود طاقت استعمال کرتے ہیں ۔ہاں !تمام طاقتیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں ۔اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔حضرت اسحاق ،حضرت یعقوب اور حضرت ابراہیم علیہم السلام نے بھی یہی کہاتھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کابھی یہی فرمان تھااور یہ بات انہوں نے مصر کی جیل میں کی تھی ۔جیل کی سختیاں اور مصائب انہیں حق بات کہنے سے نہ روک سکے

اوریہی بات تمام پیغمبر کہتے آئے ہیں اور یہی دنیا بھر کے مسلمانوں کی آواز رہی ہے۔

عمر عبدالرحمن نے کہا"پراسیکیوٹر نے مصراور اسرائیل کے مابین ہونے والے معاہدے کا دفاع کیا ہے ۔میں پراسیکیوٹر کی جانب سے آنے والے نقطہ نظر کا جواب نہیں دوں گا۔شیخ الازہر کی جانب سے تشکیل دی جانے والی کمیٹی کو جو بیان میں نے دیا ہے وہ کافی ہے لیکن میں پراسیکیوٹر "عظیم دانشور"(طنزیہ طور پر)کو ضرور جواب دوں گا جو یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ معاہدہ خدائی احکام کی بنیاد پر درست ہے ۔عمر عبدالرحمن نے قرآن مجید کی مقدس آیات کے حوالے سے پراسیکیوٹر کے دلائل کو رد کیا اور اس کے خوب لتے لئے اور کہا کہ "میرا جرم یہ ہے کہ میںنے ریاست پر تنقید کی ہے اور معاشرے میں موجود بدعنوانی کو بے نقاب کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہہ کس طرح ریاست اللہ کے احکامات کے خلاف چل رہی ہے ۔میں ہمیشہ اللہ کے احکامات پر اسی طرح عمل پیرا رہوں گا کیونکہ یہی سچائی ہے اور میرے دین کی بنیاد اسی سچائی پر ہے اور میں اسی عقیدے پر سختی سے کاربند ہوں ۔میرا ضمیر اور میرادین مجھے ناانصافی اور ظلم کے خلاف لڑنے پر تیاررکھتا ہے ۔میرا ضمیر مجھے غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کو غلط ثابت کرنے پر آمادہ رہتا ہے اور اس کے لئے چاہے مجھے اپنی جان کی قربانی ہی کیوں نہ دینا پڑے ۔

میں جیل اور سزائے موت سے نہیں ڈرتا ۔میں اس بات پر قطعی خوش نہیں ہوں گاکہ مجھے معافی مانگنے کے لئے کہاجائے یامجھے رہاکردیاجائے ۔میں اس بات پر اداس نہیں ہوںگا اورنہ ہی مجھے کوئی افسوس ہوگااگر مجھے پھانسی کے تختے پر کھینچ دیاجائے ۔میں اللہ کے راستے میں شہید ہونے کو پسند کرتا ہوں اور یہ میری آرزو ہے ۔سچ کے راستے پر چلتے ہوئے اگرجان قربان کردی جائے تو

ایک مسلم کے لئے خوشی اور سعادت کی اس سے بڑھ کر کوئی اور بات نہیں ہوتی ۔اگر مجھے جام شہادت پینا پڑا تو میں کہوں گا"اے میرے اللہ ! اے میرے کعبے کے رب میں جیت گیا۔اے میرے اللہ !میں کامیاب ٹھہرا میں ایک مسلم ہوں جو اللہ کے دین کے لئے زندہ رہتا ہے اور اسی کے راستے میں اپنی جان دیتا ہے۔جب اسلام پر ہر طرف سے کافروں کی یلغار ہوتومیں خاموش نہیں رہ سکتا۔مجھے کوئی چیز خاموش نہیں کرسکتی ۔اسلام پر اس کے مختلف طرح کے دشمن حملے کررہے ہوں اور میں چپکے چپکے سنتا رہوں اور برداشت کرتا رہوں ،یہ میں کسی صورت برداشت نہیں کرسکتا ۔میرے لئے اس طرح کا طرز عمل اختیارکرناممکن ہی نہیں ہے"۔

اپنی گواہی کے اختتام پر عمر عبدالرحمن نے کہا"اعلیٰ ریاستی عدالت کے جج صاحب !میں نے اپنے دلائل مکمل کرلئے ہیں ،میں نے سچ کھول کر بیان کردیا ہے ،آپ میری گواہی کو سنت اور قرآن مجید کے احکامات کے مطابق پرکھیں اور فیصلہ سنانے سے قبل میری شہادت کو خدائی احکامات اور قوانین کی کسوٹی پر رکھ کر دیکھیں اور سن لیں جج صاحب !اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نااہل اور ایک نافرمان ہوں گے کیونکہ قرآن کاحکم ہے کہ جس نے جان بوجھ کر خدائی احکامات کو پس پشت ڈالاوہ نافرمان ہے ۔اے عدالت کے صدر صاحب! اللہ آپ کو اس حکومت کے شر سے محفوظ رکھے ۔اللہ آپ کو حکومت سے بچاسکتاہے لیکن حکومت آپ کو اللہ سے نہیں بچاسکتی ۔اللہ کا حکم تمام دنیاوی احکامات سے بالاتر ہے ،اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ دیکھ رہا ہے ۔اللہ کے احکامات سے روگردانی کرنا اطاعت نہیں نافرمانی ہے ۔میں ان جرائم پیشہ لوگوں کے مقابلے میں آپ کو انتباہ کرتا ہوں کہ آپ خدائی احکامات کو مدنظررکھ کر کسی نتیجے پر پہنچیں"۔

جہاں تک شیخ صلاح ابواسماعیل رحمہ اللہ کی شہادت (گواہی)کاتعلق ہے تویہ ایک سنجیدہ گواہی تھی کیونکہ اس میں ریاست اور اسلام کے بارے میں بہت سے سنجیدہ سوالات کے مدلل جوابات دیئے گئے تھے اور ریاست کا مذہب کے بارے میں جو رویہ ہے اس ضمن میں بھی دلائل کے ساتھ بات کی گئی تھی ۔شیخ صلاح ابواسماعیل رحمہ اللہ نے انور سادات کو زور دے کر بات کی تھی کہ مذہب میں کوئی سیاست نہیں ہے اور نہ ہی سیاست میں کوئی مذہب ہے ۔شیخ صلاح ابواسماعیل نے اپنی گواہی میں اسلامی اخلاقیات پر بات کی او ربتایا کہ اسلام میں شورائی نظام کی کیا اہمیت ہے اورجب عدالت نے فیصلہ سنایا تویہ حکومت سیکورٹی سروسز اور پراسیکیوٹر کے حیران کن تھا۔عدالت نے ان کے لئے کسی سزائے موت کا اعلان نہیں کیا بلکہ یہ تین سو دوملزموں میں سے رہاہونے والے 194میں شامل تھے ۔

فیصلے کے قانونی نکات جس کی وجہ سے انہیں رہاکیاگیا یہ نکات فیصلے سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے کیونکہ ان حالات میں فیصلہ اتنا اہم نہ تھا جتنے وہ حالات تھے جس کی وجہ سے عدالت کو یہ فیصلہ کرنا پڑا ۔اور وہ یہ کہ عدالت نے تسلیم کرلیا تھا کہ مصر کے حکومتی معاملات کو اسلامی شریعت کے مطابق نہیں چلایاجارہا۔عدالت نے یہ بھی تسلیم کیا کہ شریعت کا نفاذ ریاست کی ذمہ داری ہے اور یہ عوام کی دلی خواہش بھی ہے ۔عدالت نے اس فیصلہ میں دراصل یہ تسلیم کیا کہ مصری آئین اور قوانین اسلامی قوانین سے متصادم ہیں ۔عدالت نے یہ مانا کہ مصری قوانین کی وجہ سے مصر کے عوام کی اکثریت اسلام سے بالکل علیحدہ ہوچکی ہے اور ان کی زندگی میں اسلام کو کوئی عمل دخل نہیں رہا۔عدالت نے یہ بھی مان لیا کہ زیر حراست افراد پر جسمانی تشدد کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں اور اس تشدد کی وجہ سے بہت سے لوگ زندگی بھر کے لئے معذور ہوچکے ہیں ۔لوگ اپنی بصارتیں کھوبیٹھے ہیں اور اب وہ ایک

عام صحت مند انسان کی طرح معاشرے میں اپنا کوئی مقام نہیں بناسکتے چنانچہ عدالت نے اپنے فیصلے میں مطالبہ کیا کہ اس پر تحقیقات کی جائیں اور جو لوگ اس تشدد کے ذمہ دار ہیں انہیں تحقیقات کے ذریعے بے نقاب کیا جائے۔

باب نمبر9

اسرائیل کی انتظامیہ گذشتہ دوصدیوں سے مغرب کے لئے کام کرتی رہی ہے۔ا س خطے میں اسرائیل کی موجودگی دراصل مغرب کے مفادات کے تحفظ کے لئے ہے ۔اسرائیل دراصل شام اور مصر کو علیحدہ کرتا ہے ۔یہ دوعلاقے صدیوں تک صلیبی جنگوں کا ایک دیوار کا کام کرتے رہے ہیں ۔اسرائیل اسلامی دنیا کے دل میں بیٹھ کر ان کے خلاف کاروائیوں کو تیز کرنا چاہتا ہے۔

میں نے اس خطے میں اسرائیل کے قیام کے بارے میں متعددکتب کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انگریزی کی متعدد دستاویزات بھی ملاحظہ کی ہیں ۔ان میں محمد حسین ہیکل کی کتاب" عربوں اور اسرائیل کے مابین خفیہ مذاکرات"بھی شامل ہے۔میں نے انٹرنیٹ پر موجود ان مضامین اورکالموں کا بھی مطالعہ کیا ہے جو وقتاً فوقتاً عرب اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں ۔میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مصرمیں جہادی گروپ کے رہنما مشرق وسطیٰ میں ہونے والی روزانہ سرگرمیوں سے کوئی علیحدہ چیزنہیں ہے۔

محمد علی کے عہد میں مصر کی سلطنت عثمانیہ کی جدوجہد نے یہودیوں اورانگریزوں کو ایک سنہری موقع دیا کہ وہ اسلامی دنیا کے دل میں اسرائیلی ریاست قائم کردیں یا دوسرے الفاظ میں ایک بفرزون (Buffer Zone)قائم کردیں ۔انورسادات پہلا ایسا شخص نہیں ہے جس نے اسرائیل اور عربوں کے مابین علیحدہ سودے بازی پر دستخط کئے ہوں۔شہزادہ فیصل نے وہی کیا جو اس کے سامنے تھا ۔بعدازاں اس نے یہودیوں کے ہاتھ فلسطین کو بیچ کر اپنی ریاست خریدنے کی کوشش کی ۔

1973ءکی جنگ میں امریکہ نے33روز تک اسرائیل کو اسلحہ ،ہتھیار اور ٹینک فراہم کئے ۔اس امداد کے پیچھے امریکہ کا یہ مقصد کارفرماتھاکہ اسرائیل اپنے جنگی نقصان کا ازالہ کرسکے اور کہیں کمزورنہ پڑجائے اورنہایت عمدگی کے ساتھ اپنی جنگی صلاحتیوں میں اضافہ کرسکے ۔امریکہ نے ہر موقع پر اسرائیل کی مدد کی ۔جب اسرائیل نے سر عام کہہ دیا کہ وہ ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری پرکھلے عام معاہدے پر دستخط نہیں کرسکتا تو اس وقت اسرائیل کے بجائے امریکہ نے مصر پر دباؤ ڈالا کہ اس معاہدے پر دستخط کردے ۔اس کے باوجود امریکہ اسرائیل کے ساتھ ہمدارادنہ رویہ رکھتا ہے اور اسرائیل کی حرکتوںکو نظرانداز کرتارہتا ہے ۔اس کا مطلب یہ ہےکہ امریکہ نے جانتے بوجھتے اسرائیل کے پاس ایٹمی ہتھیار رہنے دیئے تاکہ وہ عربوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بنارہے ۔خطے میں طاقت کا عدم توازن قائم ہو اور عرب ہمیشہ کے لئے اسرائیل سے ڈرتے رہیں ۔یہ ایک حیرت انگیز اور تکلیف دہ بات ہے حالانکہ اگر اس کاموازنہ پاکستان کی صورتحال سے کیا جائے تو پاکستان نے اس قسم کے کسی معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کردیا ہے اور کہا ہےکہ وہ اس وقت تک دستخط نہیں کرے گا جب تک اس کا دشمن ہمسایہ ملک اس معاہدے پر دستخط نہیں کردیتا۔

مغربی ریاستوں نے اسرائیل کے قیام اور اسے طاقتور بنانے کے لئے دوصدیوں پر محیط کوششیں کیں۔اس کے قیام کا ان کے نزدیک صرف ایک ہی مقصد تھا کہ یہ تمام تر مغربی ممالک کے مفادات کا اس خطے کے اندرتحفظ کرے گا۔جہاں تک فرانس کا تعلق ہے تو اس نے تواٹھارویں صدی کے اختتام سے ہی اسرائیل کے قیام کی کوششوں کا آغاز کردیاتھا۔میں اس کی یہاں کچھ مثالیں دیتا ہوں۔پہلی بات یہ کہ جب نپولین بونا پاٹ نے مصر پر حملہ کیا تو وہ آکو پر قبضہ کرنے میں ناکام ہوگیا جس کے نتیجے میں اس نے یہودیوں کو اپنی معروف کال

دی تھی ۔نپولین کابیان تحریر کرکے اسپین ،جرمن ،اٹلی ،فلسطین اور فرانس میں ہر جگہ پہنچایا گیا۔اس کامطلب ہے کہ بونا پاٹ جو کچھ کررہا تھا ،معاملہ اس سے زیادہ وسیع تھا۔بوناپاٹ نے اپنے بیان میں کہا تھا "نپولین بونا پاٹ کی طرف سے ۔۔۔مملکت فرانس ،افریقہ اور ایشیاءمیں مسلح افواج کے سپریم کمانڈر کے نام۔۔۔فلسطین کے اصل وارثوں کے نام ۔۔۔اے اسرائیلیو! اے بے مثال لوگوں !دشمن قوتوں کی افواج تمہیں تمہاری شناخت اور وجود سے محروم کرنے میں ناکام ہوچکی ہیں ۔اگرچہ انہوں نے تمہیں تمہارے آباؤاجداد کے علاقے سے محروم کردیا ہے ۔پیغمبر نے تمہارے بارے میں پیشن گوئی کی ہے کہ تم ایک روز اپنی سرزمین پر واپس آؤگے ،پھرتمہیں کوئی خوف نہ ہوگااورنہ کوئی ڈر اورتم کسی خوف کے بغیر ایک ریاست قائم کروگے۔۔۔تم اپنے دشمن کے خلاف حالت جنگ میں ہو"۔

1938ءمیں نپولین کی فتح کے بعد انگریزی فوج کے کمانڈر لارڈ ولنگٹن نے لارڈ پالمرسٹن کو ایک رپورٹ پیش کی جس میں اس نے مشرق قریب کی ایک رپورٹ پیش کرتے ہوئے لکھا کہ مصر کے حکمرانوں کے تضادات کی وجہ سے اس سال مصر اور ترکی میں ایک بحران نے سراٹھایا ہے۔دس سالوں میں محمد علی نے اپنی ریاست کی ضرورت کے مطابق فوج اور جہادوں کاایک بیڑہ تیار کیا ہے ۔اس نے ایک لاکھ افراد کو فوج میں بھرتی کیا ہے اورانہیں اپنے آقا ،سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ کے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔ان حالات میں انگریزحکومت کی جانب سے ایکشن کی ضرورت ہے تاکہ مداخلت کرکے "پاشا کو اس کی اوقات "یاد دلائی جائے کہ اسے ہر حال میں سلطان کی اعانت کرنی ہے"۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ انگریز حکومت نے خود بخود یہ اختیار حاصل کرلیا کہ کمزور حکومتوں کے خلاف جب چاہے کوئی ایکشن لیاجائے۔یہ وہی

قانون ہے جس پر آج امریکہ عمل پیرا ہے اور ایسے ملک جوطاقتور ہیں وہ بھی قانون پر عمل پیرا ہیں ۔امریکہ اور طاقتور ممالک کو تو یہ حق حاصل ہے کہ وہ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار رکھ سکیں لیکن امریکہ اور دیگر طاقتورملک یہ حق کسی اورکمزور ریاست کو دینے کے حق میں نہیں ہیں ؛

سیاسی طور پر کشیدہ صورتحال سے یہودیوں نے فائدہ اٹھایا۔پالمر سٹون ہرگز یہ نہیں چاہتاتھاکہ بیمار آدمی (ترکی)وراثت کی تقسیم کی تیاریوں سے قبل ہی فوت ہوجائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ یہ بیمار کبھی صحت مند بھی نہ ہو،لہٰذا یہ ضروری تھا کہ مصر اورترکی کو علیحدہ کرنے کے لئے ایک بفرزون قائم کردیاجائے۔اس صورتحال سے ضروری تھاکہ ہر ایک کو اس کی "اوقات "میں رکھاجائے اور کسی کو بھی ضرورت سے زیادہ طاقتور نہ ہونے دیاجائے ۔

1840ءمیں یورپی طاقتوں نے محمد علی پر دومعاہدے نافذکردیئے جو کہ اس کی شکست کا باعث بنے ۔پہلے معاہدے کا تعلق اس کی اپنی ذات اور ان وارثوں سے تھا جو کہ مصر پر حکومت کررہے تھے ۔دوسرے معاہدے کانام "شام میں صورتحال کی بہتری سے اقدامات"تھا۔سطحی طور پر دوسرے معاہدے سے محمد علی نے ملک شام سے دستوں کے انخلاءکو محفوظ بنایالیکن اگر گہری نظر سے دیکھاجائے تو اس معاہدے نے یہودیوں کے فلسطین میں قیام کی راہ ہموار کی ۔ 1849ءمیں روتھشیلڈ خاندان کی سرپرستی میں لندن میں ایک یہودی کانفرنس منعقد کی گئی ۔کانفرنس درج ذیل مطالبات جاری کرکے اختتام پذیر ہوئی ۔

(1) انگریزوں کی حفاظت میں دنیا میں جہاں بھی یہودی موجود ہیں ،یہودیوں کی عالمی تنظیم انہیں تسلیم کرنے کا اعلان کرے۔

(2) انگریزحکومت سے اپیل کی جائے کہ وہ فلسطین میں یہودیوں کی آباد کاری کے لئے اقدامات کرے اور ااس طرح کے اقدامات دنیاکے تمام خطوں میں بھی کئے جائیں۔

1875ءمیں برطانوی وزیر اعظم کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ مصر کا حکمران خدیو اسماعیل سویز کنال کمپنی میں سے اپنے حصص فروخت کرناچاہتا ہے ۔یہ برطانوی وزیر اعظم ڈزرائیلی تھا ۔ڈزرائیلی برطانیہ کی تاریخ میں آخری یہودی وزیر اعظم تھا،اگر انگریز سیاستدان اپنے پروٹسٹنٹ مذہبی نظریات کے تحت اور سیاسی فوجی مفادات کے حصول کے لئے اسرائیل کی ریاست کے قیام کے لئے کام کررہے تھے توایک یہودی برطانوی وزیر اعظم محسوس کرتا تھا کہ صورتحال کو مذہب کے فرزندوں کی بہتری کے لئے استعمال کیاجاسکتا ہے۔اس یہودی وزیر اعظم نے اپنے عنفوان شابب میں ایک ناول تحریر کیاتھا جس میں ایک کردار کہتا ہے"انگلینڈ ایک عظیم ملک ہے اسے اس کے چند سیاستدانوں نے ایک بہت بڑے کمرشل اکاؤنٹ کے دفتر میں تبدیل کردیاہے ۔انگلینڈ ایک دل اور ایک ضمیر رکھتا ہے تاہم یہ یہودیوں کے شانہ بشانہ کھڑا ہوتا ہے اور انگلینڈ کو اس بات کایقین ہوتا ہے کہ خدا بھی یہودیوں کی دوبارہ زندگی کے لئے کوشاں ہے"۔

جونہی خدیو اسماعیل کی نہر سویز کمپنی کے حصص فروخت کرنے کی خواہش یہودی وزیر اعظم ڈزرائیلی تک پہنچی تو اسے محسوس ہوا کہ برطانیہ کے لئے سر زمین مصر میں پہنچنے اور بعد ازاں اسرائیل کی ریاست کے قیام کا یہ ایک سنہری موقع ہے ۔ڈزرائیلی کو انتہائی سرعت کے ساتھ سوچنا تھا۔ڈزرائیلی کے لئے مسئلہ یہ تھا کہ اسماعیل تمام رقم نقد مانگ رہاتھااور اس کی خواہش تھی کہ یہ تمام سودے بازی خفیہ طریقے سے طے ہو اور جہاں تک

ممکن ہوسودے بازی کے بعد خاصا وقت گزرنے تک افشانہ کیاجائے۔یہ دوایسی شائط تھیں جن کی وجہ سے وزیر اعظم اس معاہدے کو اسمبلی میں پیش نہ کرسکتے تھے۔اس نے اس کا ایک فوری حل نکالااور بیرون روتھشیلڈ خاندان کاایک ایسا فرد تلاش کیاجس نے اس کے لئے چارملین سونے کے پاؤنڈز کا انتظام کیا۔جونہی انگلستان نے سویز نہر کا مصر حصہ خرید لیا تو اس سے خطے میں تمام صورتحال اسرائیل کے حق میں تبدیل ہوگئی ۔

نہر سویز کی اس فروخت کے ایک سال سے بھی کم عرصے کے بعد 1877ءمیں روتھ شیلڈ خاندان نے فلسطین میں یہودیوں کی پہلی کالونی کی آباد کاری کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا آغاز کیا ۔اس کالونی کا نام "بتاح تکفاہ"تھا۔اسی سال کے دوران حکومت برطانیہ نے سلطان سے کہا کہ وہ قبرص میں فوجی دستوں کو اترنے کی اجازت دیں۔یاد رہے کہ فوجی نقطہ نگاہ سے یہ ضروری تھا کہ شام کے ساحلی علاقے پر کڑی نگاہ رکھی جائے ۔کریمیا کی جنگ کے اختتام پر انگریزوں اور ترکوں کے مابین تعاون کا معاہدہ ہوا۔انگریزوں نے سلطان سے اس کی مشرقی جائیداد کے تحفظ کا وعدہ کیا ۔1982میں انگریزوں نے مصر میں اندرونی گڑ بڑ کو محسوس کیا اور مصر پر قبضے کا فیصلہ کیا اور "ثورہ عرابی"کو کچل کررکھ دیا ۔انگریزوں نے اس کا جواز یہ پیش کیا کہثورہ عرابی دراصل سلطان کے خلاف بغاوت کررہا تھا۔پس ،سلطان کی حمایت حاصل کرنے کے بعد کفار کے دستے اسلام کے مرکز کی جانب بڑھنے لگے۔

انگریز کے مصر پر قبضے کے بعد یہودیوں کی ہجرت کی تحریک میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔یہودی بستیاں مشروم کی طرح جگہ جگہ اگنے لگیں اور ان میں اس تیزی سے اضافہ ہوا کہ انگریز کے مصر پر قبضے کے دس سال بعد بیس نئی

آبادیاں بسائی گئیں ۔یہ بستیاں دریائے اردن کے مشرقی اورمغربی حصوں میں پھیلتی چلی گئیں ۔

بیسویں صدی کے آغاز پر پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔اس جنگ سے قبل انگریز یہ جان چکے تھے کہ وہ فلسطین میں کیا کرناچاہتے ہیں ۔انگریزکے عزائم برطانوی وزیر اعظم کیمبل باترمان کی سفارشات سے بھی عیاں ہوئے۔یہ سفارشات اس نے جنگ سے قبل کی تھیں۔وزیر اعظم کیمبل باترمان نے صاف صاف لکھا ہے کہ ایک ایسی ریاست کی تشکیل کی ضرورت ہے جو یورپ کو قدیم دنیا سے ملانے اوربحیرہ روم اور بحیرہ احمر تک جانے میں معاون ثابت ہو ۔یہ ایک ایسی ضرورت ہے جو ہمیشہ راہنمائی مہیا کرتی رہے گی ۔ہمیں اس ضرورت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عملی راستے اختیار کرنا ہوں گے ۔اس واضح عزم سے کیا مراد ہے؟صرف اور صرف فلسطین کے اندر ایک یہودی ریاست کا قیام ۔

جنگ کے دوران 1915ءمیں انگریز حکومت نے سرہربرٹ سموئیل سے کہاکہ وہ فتح کے بعد فلسطین کی صورتحال کے بارے میں ایک خیالی خاکہ تیار کریں ۔وزارت جنگ کے اہم رکن اور یہودی زائنسٹ سرہربرٹ سموئیل نے پانچ فروری 1915ءمیں ”فلسطین کا مستقبل“کے عنوان سے ایک یاد داشت میں تحریر تھا کہ ”انگریزوں کے مفادات کا تحفظ اورکامیابی کو یقینی بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انگریزوں کی سرپرستی میں فلسطین میںایک عظیم یہودی فیڈریشن قائم کی جائے ۔جنگ کے بعد فلسطین کو لازمی طور پر انگریزی حکومت کے زیر نگیں دے دیاجائے“۔

1915ءکے موسم بہار میں پہلی جنگ عظیم کے آغاز کے کچھ ہی مہینوں کے بعد ایک ایسا شخص منظر عام پر آیاجس نے یہودیوں کے لئے بیش بہاخدمات سر

انجام دیں‌تھیں۔اس کانام مارکس سایکس تھا جس نے انگریزوں کی طرف سے معروف سایکس بیکو پکٹ معاہدے پر دستخط کئے۔انگریزوں کی دستاویزات سے ایک خطرناک نظریہ سامنے آتا ہے ۔اس نظریہ کا سب سے اہم نقطہ یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں تمام مذاہب کے مقدس مقامات انگریزوں کے کنٹرول میں رہیں گے ۔

انگریزوں کی دستاویزات میں تحریر ہے کہ مصر میں یہودی کمیونٹی کا سربراہ موسیٰ قطاوی پاشا نے جولائی 1916ءمیں مصر میں برطانوی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف ماکسویل سے کہا کہ وہ اس کو اجازت دیں کہ جنرل اللنبی کی فوج جوکہ فلسطین اور شام میں ترکوں کے خلاف چڑھائی کے لئے تیار ہے اس میں یہودی بٹالین قائم کی جائیں ۔لیکن اس بٹالین کے یہودی افسران اور سپاہی اپنی ٹوپیوں کے سامنے داؤد کا ستارہ ضرور لگائیں تاکہ یہ واضح طور پر پتہ چل سکے کہ یہ فوجی یہودی بٹالین سے تعلق رکھتے ہیں۔یہودیوں کی حمایت اور اسلام کے خلاف اس نفرت انگیز ماحول میں دونومبر 1917ءکو بالفور کا معاہدہ عمل میں لایا گیا۔

جنگ کے بعد اور امن کی تیاریوں کی کوششوں کے دوران زائنسٹ تحریک کی یہ کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طور پر فلسطین کے اندر یہودیوں کے لئے ایک ریاست کا قیام ممکن ہوجائے۔فلسطین پر حملہ کرنے والی برطانوی فوج کے کمانڈر لارڈ اللنبی جس نے ترکوں کو فلسطین سے باہر نکال دیا تھا،اسے بعد ازاں مصر میں برطانوی کمشنر کے طور پر تعینات کردیا گیا ۔1921ءلارڈاللنبی نے ایک مرتبہ مشرق وسطیٰ کے ڈائیریکٹر آپریشنز کرنل رچرڈ ماینر سے کہا کہ برطانوی وزیر اعظم لائیڈ جارج کو پیش کرنے کے لئے ایک یادداشت تیار کی جائے جس میں مصر اور فلسطین کے بارے میں سفارشات شامل ہوں۔

ہمیں یہاں تھوڑا سا توقف کرنا ہوگا اور اگر اس صورتحال کا آج کی صورتحال سے موازنہ کریں تو یہ حقیقت اب واضح ہوچکی ہے کہ اس پالیسی کا اطلاق آج بھی جاری ہے اور مصر اور اسرائیل کے درمیان تعلقات بفر زون کے علاقے کو غیر مسلح کرکے ہتھیاروں پر پابندی عائد کی جارہی ہے۔

انگریزوں کی کوششیں یہودیوں کو سیاسی اور فوجی خدمات مہیا کرنے پر ہی ختم نہیں ہوئیں بلکہ اس نے عرب حلیفوں پر ایک مسلسل دباؤ رکھا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کرلے۔ 1917ء میں ہونے والے سایکس بیکو پکٹ معاہدے اور اعلان بالفور کے بعد عرب حلیفوں کو شدید صدمہ پہنچا ۔انگریزوں نے قاہرہ کے نگران کمانڈر ہوگرٹ کو جدہ میں الشریف حسین سے بات چیت کے لئے روانہ کیا تاکہ وہ اس پر تمام صورتحال واضح کرے اور ان حلیفوں پر دباؤ برقرار رکھے کیونکہ ان حلیفوں کے پاس تابعداری کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ کمانڈر ہوگرٹ کے مذاکرات کی رپورٹ میں سے ایک اقتباس یوں ہے ۔

"سایکس بیکوپکٹ کی روشنی میں الشریف حسین نے کہا کہ اگر اس معاہدے میں کسی ضروری شق کا اضافہ ناگزیر ہے تو وہ اس کے لئے تیار ہے تاہم اس نے کہا کہ ہم اس سے ضروری ترمیم کی اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بتائیں گے"۔

الشریف حسین نے شام میں مصر کے مطالبات کا مسئلہ اٹھایا۔ کمانڈر ہوگرٹ نے کہا "اب فرانس ہماری آنکھوں سے دیکھتا ہے (مطلب یہ کہ انگریز کی آنکھوں سے) اور جہاں تک شام کا تعلق ہے تو فرانس شام کی آزادی میں اس کی مدد کرنا اور بچانا چاہتا ہے لیکن الشریف حسین اس دلیل سے قائل نہ ہوا اور جہاں تک اعلان بالفور کا تعلق ہے تو اس پر کرنل ہوگرٹ نے الشریف حسین کو جنگ کے دوران زائنسٹ تحریک کے پھیلاؤ کے بارے میں وضاحت اور تفصیل سے بتانا

شروع کیا ۔کرنل گرہوٹ نے اپنی گفتگو میں یہودیوں کے مفادات کی اہمیت ،یہودیوں کے اثر ورسوخ اوران سے تعاون کرنے کے فوائد کے بارے بھی بتایا۔

الشریف حسین نے اعلان بالفور کے فارمولے کو ماننے کے لئے اپنی رضامندی کا اشارہ دیا ۔لندن میں وزارت جنگ کی اس رپورٹ میں کرنل ہوگرٹ کہتا ہے"الشریف حسین پرجوش طریقے سے رضامند ہوا اورکہاکہ وہ تما م عرب ممالک میں یہودیوں کو خوش آمدید کہتاہے۔جہاں تک الشریف حسین کے بیٹے شہزادہ فیصل کا تعلق ہے تو اس کے استاد اورمعروف برطانوی انٹیلی جنس افسر لارنس نے اسے حاییم وایزمان سے فرسای کانفرنس کی تیاری کے دوران العقبہ میں ملاقات پر رضامند کرلیا ۔یہ کانفرنس جنوری 1919ءمیں ہونے والی تھی ۔دونوں نے ایک معاہدے پر دستخط کئے جن میں درج ذیل قول کا اقرار کیا گیا تھا کہ "حجاز میں عرب بادشاہت کی نمائندگی کرنے والے شہزادہ فیصل اور زائنسٹ تحریک کی نمائندگی کرنے والے ڈاکٹر حاییم وایزمان دونوں محسوس کرتے ہیں کہ عربوں اور یہودیوں کے مابین قربت ہونی چاہیے۔

معاہدے کی پیش بینی کے طورپر ہم نے محسوس کیا کہ فیصل نے یہ جان لیا کہ فلسطین ،ہیبریو ریاست کے مقابلے میں ایک ریاست ہے حتیٰ کہ اس نے دونوں اطراف کی سرحدوں کے بارے میں یہ بھی جان لیا ۔اس طرح انور سادات وہ پہلا شخص نہیں تھا جس نے اسرائیل اور عربوں کے مابین ایک علیحدہ امن معاہدے دستخط کئے ہوں ۔اس معاہدے نے یہودیوں کی وسیع پیمانے پر ہجرت کی حوصلہ افزائی بھی کی ۔

میں نے محسوس کیا کہ اس ضمن میں بہت سے واقعات اور حقائق بیان کرنے کے قابل ہیں تاہم کچھ اہم مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(1) عربوں اور اسرائیل کے درمیان اکتوبر 1973ءکی جنگ میں امریکہ نے اپنے طیاروں کے ذریعے اسرائیل کو اسلحہ ،بارود اور دیگر ہتھیار فراہم کئے ،حتیٰ کہ امریکہ نے اسرائیل کو امریکی توپ خانے کی بھی مدد فراہم کی اور یہ تمام حربی سازوسامان براہ راست میدان جنگ میں اتاراگیا۔اس فضائی امداد پر تبصرہ کرتے ہوئے مصر کے وزیر جنگ محمدعبدالغنی الجمسی کہتے ہیں ”امریکہ کی اسرائیل کو فضائی امداد پر 13اکتوبر سے 14نومبر 1973ءتک تینتیس روز تک جاری رہیں ۔اس فضائی امداد کے لئے امریکہ کی فضائی قوت کا تقریباً چوبیس فیصد حصہ روزانہ استعمال کیا گیا ۔تقریباً بائیس ہزار چار سو ستانوے ٹن اسلحہ ۔گولہ بارود اور ہتھیار فراہم کیا گیا۔اس دوران 707اور 747نامی طیاروں نے ساڑھے پانچ ہزار ٹن اسلحہ فراہم کیا۔اس کے علاوہ چونتیس فیصد رسد سمندر کے ذریعے پہنچائی گئی ۔اس امداد کا مقصد اسرائیل کی جنگی طاقت میں اضافہ اور جنگی نقصان کا ازالہ تھا ۔فضائی رسد میں مختلف قسم کا گولہ بارود شامل تھا۔یہ بات قابل غور ہے کہ اسلحہ کی ترسیل کا آغاز 13اکتوبر سے ہوا جبکہ مصر نے جنگ کاآغاز 14اکتوبر کوکیاتھاچنانچہ اسرائیل نے حملے کو پسپا کرنے کی مکمل تیاری کرلی تھی۔امدادکے ذریعے امریکہ نے مکمل طور پر اسرائیل کو اس قابل بنادیاتھا کہ وہ ایک مکمل جنگ کامقابلہ کرسکے اور جنگ کے حتمی مراحل جیت سکے ۔اس امریکی امداد نے فوجی طاقت کا توازن اسرائیل کے حق میں کردیا تھا۔اس طرزعمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح امریکہ نے اس جنگ میں کھلم کھلا اسرائیل کا ساتھ دیا۔

میرے اندازے کے مطابق اس امداد سے اسرائیل نہر کے محاذ کے اوپر براہ راست پروازوں اور جنگ میں برتری کے حصول کے قابل ہو گیاتھا۔اس فضائی امداد کے بغیر اسرائیل کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ جنگ کے آخری حصے میں جیت سکتا ۔اسرائیل کے قیام سے اسرائیل کوسیاسی حمایت اور اس کے

حریفوں پر دباؤ کا سلسلہ جاری ہے۔مثال کے طور پر 26مارچ 1979ءکو جس روزمصر اور اسرائیل کے مابین امن معاہدہ ہوا اسی روز امریکہ اور اسرائیل کے مابین ایک معاہدہ ہواکہ اگر اسرائیل اورمصر کے مابین ہونے والے معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی تو امریکہ اسرائیل کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔ذیل میں اس معاہدے کی خطرناک شقیں دی جارہی ہیں ۔

اگر امریکہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کی جارہی ہے یا یہ کہ اس معاہدے کو کوئی خطرہ ہے توامریکہ دونوں فریقوں سے رابطہ کے بعد اس مسئلے کا حل تلاش کرے گا۔اس معاہدے کی پابندی کروانے کے لئے سفارتی ،معاشی اور فوجی اقدامات جو ممکن ہوئے کئے جائیں گے ۔امریکہ اس صورت میں ضروری اقدامات کرنے کاپابند ہوگا۔جب وہ محسوس کرے کہ اس میں اسرائیل کی سلامتی کو کوئی خطرہ ہے ۔مثال کے طور پر اگر امریکہ محسوس کرتا ہے کہ عالمی سمندری راستوں کو اسرائیل کے لئے بند کردیاگیاتویہ سمجھاجائے گا کہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے ۔اگر اقوام متحدہ کسی ایسی پابندی کا اعلان کرتا ہے جو اس معاہدے کے خلاف جارہی ہو توامریکہ ایسی قرارداد کو مسترد کردے گا۔

امریکہ نے اس معاہدے پر دستخط سے ایک روز قبل اس کی ایک کاپی انور سادات کے حوالے کی لیکن یہ پیشگی کاپی بھی انور سادات کو دستخط کرنے سے باز نہ رکھ سکی ۔اس نے حتیٰ کہ ایک نئی دستاویزات پر بھی دستخط کردیئے ۔جس کا عنوان تھا ”غزہ اور مغربی کنارے کے مکمل اختیار کامعاہدہ “

اگر اس معاہدے کا سنجیدگی سے تجزیہ کیاجائے تو درج ذیل حقائق کھل کرسامنے آجاتے ہیں :

(1) امریکہ نے اسرائیل کی سلامتی کو کسی بھی قسم کے خطرے یا معاہدے کی کسی بھی قسم کی خلاف ورزی کی صورت میں حملہ کرنے کے اختیار خود ہی حاصل کرلئے۔

(2) امریکہ نے اس معاہدے ے بعد اسرائیل کے ساتھ جو معاہدہ کیا وہ یکطرفہ تھا نہ کہ دوطرفہ یعنی پہلے معاہدے کے صرف ایک فریق کے ساتھ امریکہ نے معاہدہ کیاجس کا مطلب یہ ہے اسرائیل کی سلامتی کو ہرحال میں محفوظ کیا جائے اور اگر اسرائیل کسی جارحیت کا مرتکب ہو تو ۔۔۔؟یعنی ملٹری ایکشن صرف مصر کے خلاف ہوگانہ کہ اسرائیل کے خلاف۔

(3) امریکہ نے اقوام متحدہ کی طرف سے کسی بھی ایکشن یا قرارداد کو مسترد کرنے کااختیار بھی خود ہی حاصل کرلیا ،اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ امریکہ کے لئے اسرائیل کی سلامتی ،اقوام متحدہ اور اس کی قراردادوں کی نسبت زیادہ اہم ہے ۔اس سے امریکہ کی منافقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ کس طرح عالمی سطح پر اقوام متحدہ اور دیگر اداروں کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے استعمال کرتا ہے جہاں تک اسرائیل کی سلامتی کا تعلق ہے امریک نے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے کس طرح اقوام متحدہ کی قراردادوں سے جراءت اورلاتعلقی کاا ظہار کیا ہے جبکہ اس دوران دنیا بھرکے غریب ممالک عام طور پر اور اسرائیلی خطے کے ممالک خاص طو ر پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کو مان رہے ہیں ۔

(4) امریکہ کے مطابق یہ معاہدہ امن معاہدے کو منسوخ نہیں کرتا ،جس کایہ مطلب ہے کہ امریکہ کے اسرائیل کے ساتھ ہونے والے معاہدے کو اس امن معاہدے پر برترحیثیت حاصل ہے اور یہ معاہدہ مصر کا اس بات کاپابند کرتا ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف کسی جنگ کا اعلان نہ کرے ۔اس سے دراصل مصر

پر پابندی عائد کردی گئی ہے کہ وہ مشترکہ عرب دفاعی معاہدے سے باہر نکل آئے اور اس کی پابندی نہ کرے حالانکہ یہ معاہدہ مصر کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ اس معاہدے کے فریقین پرکسی بھی جانب سے حملے کی صورت میں ان کا ساتھ دے ۔اس کے بعد اسرائیل نے عراق کے ایٹمی پلانٹ پر بمباری کی ۔جنوبی لبنان پر چڑھائی کی اور وہاں فوج کی صورت میں اپنا ایجنٹ مقرر کیا ۔بحیرہ احمر کے جنوبی دروازے پر واقع ڈھلک جزیرے پر قبضہ کیا ۔جنوبی سوڈان میں علیحدگی پسندوں کی تحریک میں اپنی امداد کا اضافہ کیا اور شام کو تنہا کرنے کے لئے ترکی کا حلیف بن گیا۔اسرائیل کے خیال میں مشرق میں اسرائیل کی سلامتی کا دائرہ پاکستان تک وسیع ہوچکاہے اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو اسرائیل اپنے وجود اور سلامتی کے لئے ایک مستقل خطرہ محسوس کرتا ہے ۔اسرائیل کے لئے امریکی حمایت اس حد تک آگے بڑھ چکی ہے کہ وہ مصر سمیت دیگر ریاستوں کو اسرائیل کی اطاعت پر مجبور کرتا رہتا ہے ۔اسی دباؤ کے ایک نکتے کے طور پر اس نے مصر کو مجبور کیا کہ وہ ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدے پر دستخط کردے ۔اس صورتحال میں اسرائیل سرعام اعلان کرچکا ہے کہ وہ اپنے مخصوص حالات کی بناءپر ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدے پر دستخط نہیں کرسکتا۔اس سب کے باوجود امریکہ کی اسرائیل کے لئے ہمدردیاں واضح ہیں اور وہ اس کی ”حرکتوں“سے اغماض برتتا ہے۔

یہ ایک حیرت انگیز اور تکلیف دہ حقیقت ہے کہ پاکستان جیسا ملک جس کے امریکہ کے ساتھ مضبوط دیرینہ تعلقات ہیں ،اس وقت تک اس معاہدے پر دستخط سے انکار کرچکا تھا جب تک اس کا دشمن ہمسایہ ملک بھارت اس پر دستخط نہیں کردیتا۔مصر کی طرح پاکستان امریکہ کے سامنے اس طرح نہیں جھکاکہ وہ اس کی ہر جائز وناجائز خواہش پر ہاں کرتا رہے۔

درج بالاواقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ اسرائیل کے لئے ایک سائبان کا سا ماحول فراہم کرتا رہتاہے تاکہ وہ مسلمانوں کے عین مرکز میں موجود رہے۔امریکہ کا یہ جرم دنیا کے تمام جرائم سے بڑھ کر ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کردار اداکرتے ہوئے مغربی ممالک کے عوام بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں جو کہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہوتے ہیں ۔یہ درست ہے کہ وہ صحافتی جنگ اور موڑ توڑ کر پیش کی جانے والی خبروں سے متاثر ہوتے ہیں لیکن بالآخر وہ اپنی حکومتوں کے الیکشن کے دوران ووٹ دیتے ہیں ۔اپنی حکومت خود منتخب کرتے ہیں اور ا س حکومت کی پالیسیوں کو چلانے کے لئے ٹیکسوں کی صورت میں فنڈز مہیاکرتے ہیں اور وہ اپنے حکمرانوں کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں کہ کس طرح ان فنڈ زکو استعمال کرتے ہیں ۔اس بات سے قطع نظر کہ ان ممالک کی حکومتیں عوام سے کس طرح ووٹ حاصل کرپاتی ہیں ۔ان ممالک کے لوگ ووٹ ڈالنے میں آزاد ہیں ۔مغربی ملکوں کے عوام کا کئی عشروں سے یہ مطالبہ رہا ہے اور یہ مطالبہ کسی افراتفری میں وجود میں نہیں آیا ۔یہ اس درخت کا پھل ہے جسے صدیوں اسلام اور مسلم دشمنی کا پانی دیا گیا ہو۔اس حقیقت کے پیش نظر ہمیں مغرب کے لئے حقیقت پسندانہ پالیسی کی تشکیل کی ضرورت ہے ۔ہمیں واہموں کے آسمان سے گر کر حقیقت کی سرزمین پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ مغرب جس کی قیادت امریکہ کررہا ہے اور امریکہ یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔مغرب اخلاقیات اور قانونی حقوق کی زبان نہیں سمجھتا،وہ صرف اپنے مفادات کی زبان سمجھتا ہے جس کے عقب میں وحشیانہ فوجی طاقت موجود ہے تاہم اگر ہم ان سے کوئی بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور انہیں قائل کرناچاہتے ہیں توہمیں یقینا اسی زبان میں بات کرنا پڑے گی جو زبان وہ سمجھتے ہیں۔

باب نمبر 10

امریکیوں کو ایک گولی ،خنجر ،بارود سے بھرے ہوئے بم یا لوہے کی سلاخ سے ہلاک کرناناممکن نہیں ہے۔اسی طرح ان کی پراپرٹی کو ایک گلاس کاک ٹیل سے جلانا بھی مشکل نہیں ہے۔ مجاہدین کے چھوٹے گروپ ہونے چاہئیں جن کی دہشت امریکیوں اور یہودیوں کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ خودکش بم دھماکوں کا طریقہ نہایت بہترین طریقہ ہے کیونکہ اس سے دشمن کا نقصان زیادہ اور بنیاد پرستوں کا نقصان کم ہوتا ہے۔ جس چیز کونشانہ بناناہے اور ہتھیار کاانتخاب دونوں کو درست ہونا چاہیے۔ دشمن کے انفرااسٹرکچرکو نقصان پہنچایاجائے تاکہ وہ اپنی سربیت سے باز آجائے ۔اس امر سے قطع نظر کہ اس آپریشن میں کتنی مدت صرف ہوتی ہے ،آپریشن پرزیادہ سے زیادہ وقت صرف کرکے اسے غلطیوں سے پاک کیا جائے اور پھر دشمن پر ضرب لگائی جائے کیونکہ یہی ایک زبان ہے جسے مغرب سمجھتا ہے۔

عام طور پر میں دشمن کے علاقے میں جنگ کے حق میں ہوں اور یہی بنیاد پرستوں کی تحریک کا مقصد ہونا چاہیے۔فوج اس وقت تک فتح سے ہمکنار نہیں ہوسکتی جب تک کہ پیدل فوج توپ خانہ کی مدد سے علاقے پر قبضہ نہ کرلے ۔اسی طرح اسلامی تحریکیں اس ایک عالمی اتحاد کے خلاف فتح یاب نہیں ہوسکتیں جب تک کہ عرب ے علاقے کے عین وسط میں ایک اسلامی اڈہ قائم نہ کیا جائے ۔جب تک اس خطے میں ایک بنیاد پرست ریاست قائم نہ ہوجائے ۔قوم کو متحرک کرنے اور مسلح کرنے کا خواب محض خواب ہی رہے گا۔ مسلم دنیا کے درمیان ایک بنیاد پرست ریاست قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے تاہم مسلمانوں کو امید ہے کہ وہ دوبارہ اپنی خلافت بحال کرنے اور

ماضی کی شان وشوکت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ہمیں دشمنوں کے یکے بعد دیگرے کئے جانے والے حملوں سے خوفزدہ اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

نیا منظر نامہ

ایک غیر جانبدار تجزیہ نگار اسلامی دنیا میں عام طور پر اورمصر میں خاص طور پر تشکیل پانے والے ایک نئے منظر نامے کے مختلف مظاہر کو باآسانی محسوس کرسکتاہے۔

جنگوں کی عالمگیریت

اپنے دل میں اسلام دشمنی کا زہر چھپائے مغربی طاقتوں نے اپنے دشمن کا تعین کرلیا ہے ۔وہ اپنے دشمن کو اسلامی بنیاد پرست کہتے ہیں۔اسلام کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے انہوں نے اپنے پرانے حریف روس کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیاہے اوراب روس ان منصوبوں اور انہیں عملی جامہ پہنانے ک پروگرام کا ایک حصہ ہے۔انہوں نے اسلام کے خلاف جنگ کرنے کے لئے متعدد ہتھیار تیز کرلئے ہیں ۔ان ہتھیاروں میں :

* اقوام متحدہ
* مسلم ممالک کے دوست حکمران
* ملٹی نیشنل کارپوریشنز
* عالمی ذرائع ابلاغ اورمعلومات کے تبادلے کانظام
* عالمی خبر رساں ایجنسیاں (جنہیں انٹیلی جنس مہیا کرنے ،سازشوں کی منصوبہ بندی کرنے اور ہتھیاروں کی نقل وحمل کرنے کے لئے رکھا گیاہے)شامل ہیں۔

اس عالمی اتحاد کے سامنے ایک بنیاد پرستوں کا اتحاد تشکیل پاچکا ہے۔اس جہادی اتحاد کی تشکیل میں مسلم دنیا کے مختلف خطوں سے تعلق رکھنے والی جہادی تحریکیں اور دوممالک شامل ہیں جنہیں اسلام کے نام پر آزادکروایا گیا۔ یہ دوممالک افغانستان اور چیچنیا ہیں۔اگرچہ یہ اتحاد ابھی ابتدائی مراحل میں ہے لیکن آہستہ آہستہ پھیل رہاہے ۔یہ اتحاد اس ابھرتی ہوئی طاقت کی نمائندگی کرتا ہے جس کانام جہاد ہے اور یہ نیوورلڈ آرڈر کے دائرہ کار سے باہر کام کررہا ہے۔ یہ مغربی سامراجیت کے غلامی کے چنگل سے آزاد ہے۔ یہ اسلام کے خلاف لڑی جانے والی نئی صلیبی جنگوں کی تباہی وبربادی کا عزم لئے ہوئے ہے ۔یہ دنیا کے کفار سربراہوں ،امریکہ ،اسرائیل اور روس سے انتقام لینے کو تیار ہے۔ یہ اپنے شہداءکے خون کا بدلہ لینے کے لئے بیتاب ہے۔ یہ مشرقی ترکستان سے اندلسیہ تک کی ماؤں کے المیوں ،یتیموں کی محرومیوں ،قیدیوں کی مصیبتوں اور زخمیوں کے چرکوں کا بدلہ لینے کے لئے بے چین ہے ۔دنیا نت نئے مظاہر کا مشاہدہ کررہی ہے۔موجودہ عہد ایک نئے مظہر کی گواہی دے رہاہے۔ یہ ایک ایسے نوجوان مجاہدین کا مظہر ہے جنھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کی غرض سے اپنے خاندان، ملک،دولت ،تعلیم ،نوکریاں سب کچھ چھوڑدیا۔

اب یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ جہاد کے علاوہ ان مسائل کا کوئی حل نہیں ہے ۔اسلام کے فرزندوں میں ایک نئی ذہنی بیداری کا آغاز ہورہا ہے جسے مسلم دنیا کے حکمران نظرانداز کرتے آرہے ہیں۔مسلم نوجوانوں کے اندر جذبہ جہاد کی تڑپ ہے ،وہ اپنی بیتابی کے پیش نظر جہاد میں شریک ہوناچاہتے ہیں ۔قصہ مختصر یہ ہے کہ جہاد کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے ۔جہاد کے بارے میں پھیلنے والے اس شعور نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کردی ہے کہ جہاد کے علاوہ باقی تمام طریقے ناکام ہیں ۔اس سلسلے میں الجیریا کی مثال ایک سخت سبق کے طور پر ہمارے سامنے ہے ۔اس نے مسلمانوں پر یہ بات ظاہر کردی

ہے کہ مغرب نہ صرف کافر ہے بلکہ یہ جھوٹا اور منافق بھی ہے ۔الجیریا میں اسلامک سالویشن فرنٹ نے تاریخی حقائق ،سیاست ،طاقت کے توازن اور قبضے کے اصولوں سے صرفِ نظر کیا۔

یہ بیلٹ بکسوں کی طرف بھاگے تاکہ صدارتوں اور وزارتوں کو حاصل کرسکیں۔وہ انصاف اورظلم کے مابین فرق کو بھول کربھاگے توسامنے فرانسیسی اسلحے سے لدے ٹینکوں نے ان پر بوچھاڑ کردی اور وہ تخلیق کے آسمان سے حقیقت کی زمین پر آگرے ۔اسلامک سالویشن فرنٹ کے لوگوں نے سوچا کہ حکمرانی کے دروازے ان واکردیئے گئے ہیں لیکن وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ ان کو جیلوں میں بندکردیا گیاہے۔ان پر زندگی کے دروازے تنگ کردیئے گئے ہیں ۔اصل میں انہیں نیوورلڈ آرڈر کی کال کوٹھری میں قید کردیا گیا تھا۔یہ تمام حقائق اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے کافی ہیں کہ یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف جن صلیبی جنگوں کا آغاز کردیا ہے ان سے مقابلے کے لئے مسلم دنیاکے پاس صرف ایک ہی راستہ بچتا ہے اور وہ راستہ جہاد کا ہے ۔جو صورتحال یہودیوں نے مسلم دنیا پر مسلط کردی ہے اس سے مسلم دنیا بالعموم اور عرب بالخصوص دنیا بھر میں کسی بھی اہم مقام کے حصول میں ناکام ہوچکے ہیں ۔ہماری حالت اس طرح ہے جیسے ایک دعوت میں یتیم بچے پھررہے ہوں جن کا وہاں کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔(ایک عربی کہاوت)

میری اس گفتگو پر کوئی مجھے روک کر یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ تم خود ہی اپنی بات کی تردید کررہے ہو۔اپنی زندگی کے واقعات بیان کرتے ہوئے تم نے کہا کہ جہادی تحریک کے کچھ رہنما مایوس ہوچکے ہیں اور اب تم بھی مایوسی پر مبنی بات کررہے ہو؟اس کاجواب سادہ سا ہے کہ تمام تحریکیں مٹنے اور نئی

زندگی پانے کے ایک دائرے میں چلتی ہیں لیکن کسی بھی تحریک کی تقدیر کا تعین صرف دوحقائق کرتے ہیں۔اول خاتمہ اور دوئم نشونما۔

اسلامی تحریک کو عام طور پر اور جہادی تحریک کو خاص طور پر اپنے کارکنوں کو مستقل مزاجی،صبر،ثابت قدمی اور استقلال کا درس دیناہوگا۔جہادی رہنما خود کو ان اوصاف کا نمونہ بنائیں تاکہ ان کا پیغام ان کی شخصیت کے ذریعے نچلی سطح پرکارکنوں تک پہنچے یہی کامیابی کی کنجی ہے۔قرآن مجیدمیں بھی یہی ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والواللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور صبر کرو تاکہ تم کامیاب ہوسکو۔اگر رہنماؤں کی طرف سے اس طرح کے اشارے ملتے ہوں کہ وہ جہاد سے روگردانی کررہے ہیں یاانہوں نے شکست تسلیم کرلی توتحریک کے کارکن اپنے رہنماؤں کوایسا نہیں کرنے دیں گے ۔وہ انہیں جہاد کے راستے سے ہٹنے نہیں دیں گے ۔راہنماؤں کے اعمال کا تجزیہ بھی کرتے رہنا چاہیے کیونکہ یہ رہنما بھی غلط ہوسکتے ہیں ۔ان کے احکامات پر اندھے بن کر نہیں گرنا چاہیے ۔اگر کسی بھی تحریک کے کارکن اپنے رہنماؤں کے اقوال پر اندھادھند عمل کرنے لگیں تو اس سے تحریک کے اندر نظریاتی اندھاپن پیداہوجاتا ہے۔

اسلامی ایکشن میں عام طور پر اور جہادی ایکشن میں خاص طور پر رہنمائی کا مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے اور قوم کو ایک جدید سائنسی ،منطقی اور جدوجہد کرنے والے رہنماؤں کی ضرورت ہے تاکہ یہ قوم کی رہنمائی کرسکیں ۔یہ جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں ،طوفان اور زلزلوں میں قوم کی انگلی پکڑ کر اسے درست راستے پر لے جاتے ہوئے منزل سے ہمکنار کرسکیں ۔

جدوجہد میں پوری قوم کو شریک کرنا اورانہیں متحرک کرنا اہم ذمہ داری ہے۔جہادی تحریک کو عوام سے رابطے بڑھانے چاہئیں ۔جہادی اپنے عوام کو

بتائیں کہ یہ تحریک ان کی عزت کی حفاظت اوران پر ظلم ڈھانے والوں کے خلاف جنگ ہے اوریہی تحریک انہیں فتح سے ہمکنار کرے گی ۔قوم کو میدان جہاد میں ایک قدم آگے بڑھانا چاہیے ۔جہادی تحریک کو چاہیے کہ وہ لوگوں میں شعور کی بیداری کے لئے اپنا علیحدہ ونگ تشکیل دے ۔اس ونگ کے فرائض میں مسلم لوگوں کو تعلیم دینا ۔خیراتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دینا اور ان لوگوں کے خدشات کو سن کر ان کا شافی جواب دینا شامل ہو۔ہمیں اس سلسلے میں کسی بھی علاقے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے ۔ہمیں لوگوں کے اعتماد اور دل جیت لینے چاہئیں ۔عوام ہم سے اس وقت تک محبت نہیں کریں گے جب تک انہیں یہ یقین نہ ہوجائے کہ ہم بھی ان سے محبت کرتے ہیں ۔لوگوں کو اس بات کا پکا یقین ہوناچاہیے کہ ہمیں ان کا بہت خیال ہے اور یہ کہ ہم ان کی حفاظت کے لئے تیار ہیں ۔

اس پوری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ لڑتے ہوئے جہادی تحریک کو عوام کے درمیان یا اس سے آگے ہونا چاہیے ۔یہ ایک آئیڈیل صورتحال ہے کہ تحریک آگے ہواور پوری قوم اس کے پیچھے صف بستہ ہو۔اس سلسلے میں تحریک کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہ کسی طاقت کے خلاف علم بلند کرتے ہوئے تحریک کو عوام سے علیحدہ نہیں رہنا چاہیے کیونکہ تنہائی کا شکار تحریکیں جلد مرجاتی ہیں ۔ہمیں عوام کو اس بات کا دوش نہیں دینا چاہیے کہ وہ اس کام میں ہمارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ ہمیں خود پرالزام عائد کرنا چاہیے کہ ہم کوئی ایسا لائحہ عمل نہیں بناسکے جس میں عوام کو شریک کرسکتے ہوں ۔دراصل یہ ہم ہیں جو عوام تک درست پیغام پہنچانے میں ناکام رہے ہیں ۔

جہادی تحریک کو اس بات کی شدید خواہش ہونی چاہیے کہ وہ لوگوں کو طاقتور بنانے کے لئے جہادی تحریک میں عوام کو جگہ دیں اور انہیں اپنی

کاروائیوں کا حصہ بنائیں ۔مسلم قوم اس وقت تک مجاہدین کے شانہ بشانہ کھڑی نہ ہوگی جب تک کہ وہ قوم کو ایسا نعرہ یاپروگرام نہ دیں جس پر قوم لبیک کہہ اٹھے اور یہ نعرہ ،قول یا بات اس طرح کی ہو کہ قوم کی سمجھ میں آجائے کہ جہادی تحریک کس طرح ان کے مسائل حل کرنے میں معاون ہوگی ۔گذشتہ پچاس سال سے صرف ایک ہی نعرہ ایسا ہے جسے سن کر پوری قوم جہادی تحریک میں شامل ہوسکتی ہے اور وہ نعرہ ہے "اسرائیل کے خلاف اعلان جہاد "کا۔

قوم گذشتہ دس سالوں میں اسرائیل کے ساتھ ساتھ امریکہ سے بھی نفرت کرنے لگی ہے ۔اس نعرے میں امریکہ کو بھی شامل کیا جاناچاہیے۔اگرامریکہ کے خلاف جہاد کی کال دی جائے توقوم اس جہاد کی کال پر ضرور لبیک کہے گی ۔ افغانستان ،فلسطین اور چیچنیا کے واقعات پر ایک ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے توپتہ چلتا ہے کہ جب کفر اور کافروں کے خلاف جہاد کی کال دی گئی اورکہا گیا کہ ان ممالک کوکافروں کے تسلط سے آزاد کرانے کامعاملہ ہے توکسی طرح جہادی تحریک کی آواز قوم کے رہنماؤں تک پہنچے گی اور یہ کتنی حیرت انگیز بات ہےکہ وہ سیکولر جنہوں نے مسلمانوں کو تباہی سے دوچار کیا ،خاص طور پر عرب اسرائیل تنازعے میں بھی مسلمانوں کونقصان پہنچا ،وہ بھی مسئلہ فلسطین کے حل کی بات کرنے لگے ہیں ۔اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مسلمان جو کہ دنیا بھرمیں پسے ہوئے مسلمانوں کے حقوق بازیاب کرانے کے ہر دورمیں چمپئن رہے ہیں جو قوم کی رہنمائی کی طاقت اور اہلیت رکھتے ہیں وہ فلسطین کے مسئلے پر عوام میں بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں ۔

فلسطین کو آزاد کرانے کے لئے اب جہاد کے مواقع میں اضافہ ہوچکا ہے ۔تمام سیکولر جنہوں نے فلسطین کے مسئلے پر ہمیشہ زبانی جمع خرچ سے کام لیا اور

اسلامی تحریکوں کا مقابلہ کیا ،ان کے عزائم اب مسلمانوں پر ظاہر ہوچکے ہیں کیونکہ وہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرچکے ہیں ۔یہ بات اب پوری دنیا کو تسلیم کرلینی چاہیے کہ مراکوسے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں کے دلوں میں گذشتہ پچاس سالوں سے مسئلہ فلسطین کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔

جہاد کے ذریعے علماءدانشوروں ،حکمرانوں ،منصفوں ،ادیبوں اور سیکورٹی ایجنسیوں کا رویہ آشکار ہوجائے گا۔اس پر عمل کرکے اسلامی تحریک عوام پر اپنی بغاوت کا اظہار کرسکتی ہے اور بتاسکتی ہے کہ اس بغاوت کی وجوہات کیا ہیں ۔انہوں نے اللہ کے دشمنوں کے ساتھ اتحاد کرلیا ہے اور یہ مجاہدین کے اس لئے دشمن ہیں کہ مجاہدین ایسے یہودیوں اور عیسائیوں کے دشمن ہیں ۔جو اپنے دل میں اسلام کی دشمنی رکھتے ہیں ۔امریکیوں اور یہودیوں کو شکست دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے ۔انہیں ایک گولی ،خنجر یا سریے سے نقصان پہنچانا ناممکن نہیں ہے۔موجودہ وسائل کے ساتھ چھوٹے گروپ امریکیوں اوریہودیوں کے لئے ایک دہشت بن سکتے ہیں ۔اسلامی تحریک کو عام طور پر جہادی تحریک کو خاص طور پر عوام میں بیداری کی مہم کا آغاز کردینا چاہیے ۔

مسلم دشمن حکمرانوں کو بے نقاب کیا جائے

ایسے حکمران جو اپنے اعمال اور احکامات کی طاقت سے مسلمانوں کو نقصان پہنچارہے ہوں انہیں بے نقاب کرنا ضروری ہے ۔انہیں کس طرح بے نقاب کیاجاسکتا ہے؟

❁ مسلم عقیدے میں توحید سے وفاداری اورکفار کو چھوڑنے کی اہمیت پر روشنی ڈال کر انہیں بے نقاب کیاجاسکتا ہے۔

- قوم کو بتایاجائے کہ اسلام ،قوم اوروطن کا دفاع مسلمان پر فرض ہے۔
- علماءکو حکمرانوں کے بارے میں خبردار کیاجائے۔
- ائمہ مساجد کو ان کے فرائض یاددلائے جائیں ۔
- عقیدے کے خلاف جنگ کرنے والوں کے عزائم بتائے جائیں ۔
- اسلامی دنیا کے دل میں ایک مسلم ریاست کے قیام بارے بات کی جائے ۔

جہادی تحریک کوایسا لائحہ عمل تشکیل دینا چاہیے کہ وہ مسلم دنیاکے عین وسط میں ایک اسلامی مملکت قائم کرسکے ۔جہاں سے پوری دنیا کی اسلامی ریاستوں سے مضبوط روابط قائم کئے جائیں ۔یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ فوج اسی وقت فتح سے ہمکنار ہوتی ہے جب پیدل فوج زمین پر قبضہ کرتی ہے ۔اسی طرح مجاہدین کی اسلامی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی اورنہ ہی یہ عالمی اتحاد کا مقابلہ کرسکتی ہے جب تک یہ اسلامی دنیا کے قلب میں ایک بنیاد پرست ریاست نہ قائم کرلے ۔ایک بنیاد پرست ریاست کے قیام کے بعد ہی دنیا میں کسی بھی اتحاد کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے ۔تمام ترمنصوبے اور منصوبہ بندیاں اس وقت تک کامیاب نہ ہوں گی جب تک کہ بنیاد پرست تحریک کے پاس عملی طور پر زمین کا ایک ٹکڑانہ ہو جس پر وہ خلافت کا نظام قائم کرسکے ۔

مسلم دنیاکے وسط میں ایک بنیاد پرست ریاست کے قیام کاخواب کوئی آسان کام نہیں ہے اورنہ ہی کوئی ایسا مقصد ہے جسے فوری طور پر حل کیاجاسکے

لیکن یہ مسلم دنیا کی ایک شدید آرزو ہے کہ وہ دوبارہ خلافت کا نظام قائم کریں اور یوں وہ اپنی کھوئی ہوئی شان وشوکت اور ماضی کی عظمت دوبارہ حاصل کرسکیں ۔جہادی تحریک کو حوصلے اورصبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا ڈھانچا قائم کرنا چاہیے اور اسے تب تک احتیاط کرنی چاہیے جب تک یہ تحریک مضبوط بنیادوں پر استوار نہیں ہوجاتی ۔اسے فی الحال وسائل جمع کرنے چاہئیں اورحمایت حاصل کرنی چاہیے اور پھر احتیاط کے ساتھ میدان جنگ کا انتخاب کرنا چاہیے ۔

یہاں ایک نہایت اہم اور بنیادی نوعیت کا سوال جنم لیتا ہے کہ اگر تحریک کے منصوبے قبل از وقت افشاءہوجائیں تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے ۔اگر اس کے ممبر گرفتار ہوجائیں ،تحریک کامستبقل داؤ پرلگ جائے ،بڑے پیمانے پر اس کے کارکنوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوجائے ،اس کے وسائل اور فنڈز کو روک دیا جائے اور اس کے رہنماؤں کو ٹارگٹ بنایا جائے توپھر تحریک کو کیا کرنا چاہیے ؟

اس صورتحال میں تحریک کو خود سے سنجیدہ سوال کرنا چاہیے اور اس کاجواب تلاش کرنا چاہیے کہ کیا چند لاشوں کے گرنے اور مخالفت کے طوفان سے یہ تحریک بکھرجائے گی؟کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ایسی صورتحال میں اس کا مطلب یقینی شکست ہے؟

میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورتحال میں تحریک کو اپنے زیادہ سے زیادہ ممبران کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بچالینا چاہیے ۔محاصرے کے دوران سب سے اہم فیصلہ بچاؤ کا فیصلہ ہوتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے اس بات پر زور دیا ہے کفا رکے خلاف جنگ کے لئے ہمیں قوم کو متحرک کرنا ہوگا۔اگر ظالم قوتیں ہمیں ایسے وقت میں میدان جنگ میں کھینچ لیتی ہیں جب کہ ابھی

ہماری تیاری مکمل نہ ہو توپھرہمیں اپنے پسند کے میدان جنگ کا انتخاب کرنا ہو گا ۔یعنی ہمیں امریکیوں اوریہودیوں پر حملے کرنے پڑیں گے ۔دوسرا یہ کہ ہمیں ان حکمرانوں کے عوام کو سامنے لانا ہو گا جو یہودیوں کے معاملات میں دلچسپی لے رہے ہیں اور آخری یہ کہ اگر ہمارا مقصد واضح ہے تو ہمیں کسی بھی صورتحال سے مایوس نہیں ہوناچاہیے ۔ہمیں کبھی بھی ہتھیار نہیں پھینکنے چاہئیں ۔اس کے لئے ہمیں چاہے کتنی بھی بڑی قربانی کیوں نہ دیناپڑے ،ہمیں جان لینا چاہیے کہ ریاستوں کو اچانک زوال نصیب نہیں ہوتا ۔

اسلامی تحریک اور اس کے جہادی ساتھیوں اور تمام مسلم قوم کو جہاد میں شامل ہوناچاہیے ۔واشنگٹن اورتل ابیب میں بیٹھے ہوئی شاطر حکومتوں کو اپنے مفادات کے حصول کے لئے استعمال کررہے ہیں ۔اگر جنگ کی چنگاری ان کے گھروں اور جسم تک پہنچ گئی تو یہ فوراً اپنے ایجنٹوں سے سودے بازی کرلیں گے اور اس کاذمہ دار کون ہو گا؟اس صورتحال میں ہمیں اس جنگ کارخ ان دشمنوں کی طرف موڑنا پڑے گا جن کے ہاتھوں سے ہمارے گھروں کو آگ لگی۔مسلم ریاست کے قیام کو صرف علاقائی جدوجہد کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے ۔یہ اب واضح ہوچکاہے کہ یہودی صلیبی اتحاد جس کی قیادت امریکہ کررہا ہے ،یہ کسی مسلم ملک کو اجازت نہیں دے گا کہ وہ ایک طاقت بن جائے ۔یہ ان تمام ممالک پر پابندیاں عائد کرے گا جو اسلامی تحریک کی مددکرے گا۔اس صورتحال میں ہمیں ایک ایسی جنگ کے لئے تیاررہنا چاہیے جو کسی ایک خطے میں نہیں لڑی جائے گی۔

دشمن کے خلاف جدوجہد کو ملتوی نہیں کیاجاسکتا۔دشمن کے عزائم سے واضح ہے کہ وہ ہمیں اتنا وقت نہیں دے گا کہ ہم پہلے اندرونی دشمن سے نبٹ سکیں اور پھر اس بیرونی اور اصل دشمن کی جانب بڑھیں ۔دشمن اب ایک بڑے

اتحاد کے ساتھ کھل کر میدان لگاچکا ہے ۔اسلامی تحریک کو یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ ان کے لئے اپنی صفوں میں‌اتحاد پیدا کرنے کی بہت زیادہ اہمیت ہے ۔صرف اس اتحاد اور نظم وضبط کے قیام سے ہی نصف راستہ طے ہوجائے گا اور کامیابی کی منزل قریب آجائے گی ۔اسلامی تحریک کو قربانیوں کی ایک نئی داستان رقم کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے اور انہیں اسلام کے مفاد میں اپنے ذاتی اختلافات کو فراموش کرکے ایک جھنڈے تلے جمع ہوجانا چاہیے ۔آج کے دور میں اسلامی جہاد میں اتحاد کی اہمیت جتنی صداقت کے ساتھ واضح ہوچکی ہے پہلے کبھی نہ تھی ۔اگر تحریک فتح سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے تواسے جتنی جلدی ممکن ہوسکے اپنی صفوں میں اتحاد پیداکرلینا چاہیے ۔

افغانستان اور چیچنیا کی دل وجان سے مدد کرنا اس دور کا اولین تقاضا ہے ۔ہمیں صرف ان دوملکوں کے حفاظتی طریقے سوچنے تک ہی خودکو محدود نہیں رکھناچاہیے ۔ہمیں اس جنگ کو اسلامی دنیا کے قلب میں منتقل کردینا چاہیے جو کہ اصل میدان جنگ ہے ،ہوسکتا ہے کہ حالات وواقعات کے پیش نظر جو ہم نے سوچا ہے وہ عملی طور پر اسی طرح وقوع پذیر نہ ہو کیونکہ اس راستے پر دباؤ کے پہاڑ کھڑے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہماری واضح خامیاں بھی ہیں ،بہرحال ہمیں اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالنا پڑے گا ۔جہادی تحریک کے لئے یہ ایک مخمصہ ہوسکتا ہے لیکن اس سے نپٹنا کوئی مشکل نہیں ہے ،ہوسکتا ہے کہ یہ بہت مشکل ہو،لیکن اسے حل کرنا کوئی مشکل نہیں ہے ۔
مجاہدین کو اپنی تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے حملوں کے طریق کار تبدیل کرنا ہوں گے اورمزاحمت کے بھی کچھ نئے میدان تلاش کرنا ہوں گے کیونکہ دشمن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہاہے ۔ہتھیاروں کے معیار میں اضافہ ہورہاہے ۔تباہ کن طاقت میں روز افزوں ترقی ہورہی ہے ۔دشمن جنگ

کی تمام تر اخلاقیات کو فراموش کرکے کاروائیاں کررہا ہے ۔اس صورتحال میں ہمیں درج ذیل امورکو پیش نظر رکھنا ہو گا۔

- دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایاجائے۔
- وہ زبان استعمال کی جائے جو دشمن سمجھتا ہے۔
- آپریشن کو احتیاط سے تیار کیاجائے چاہے اس میں کتنا بھی وقت صرف کیوں نہ ہو۔
- ایسے ہتھیار استعمال کئے جائیں جس سے دشمن کی سربیت میں کمی آئے اور دشمن کے غرور کا سرنیچا ہوسکے ۔
- اندرونی دشمن کے ساتھ اس مرحلے پر جنگ میں الجھانہ جائے ۔

ایک حقیقت جس کومدنظررکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جوجنگ عزت ،جان ،دولت ،مقدس مقامات،قوم ،اقدار،روایت اور طاقت کو بچانے کے لئے لڑی جارہی ہے یہ جنگ !مسلم کی اپنی جنگ ہے۔ یہ بوڑھوں اور نوجوانوں سب کی جنگ ہے یہ ایک ایسی جنگ ہے جس کی تپش ہمارے گھروں میں پہنچ چکی ہے ۔عوام کو آگے بڑھنے کے لئے جن چیزوں کی ضرور ت ہے وہ درج ذیل ہیں :

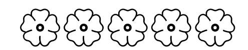
- ایک ایسی قیادت جس پر وہ اعتماد کرسکیں ،جس کی بات کو وہ سمجھ سکیں اور جس کے پیچھے وہ چلنے کو تیار ہوں ۔

- ایک واضح دشمن۔

- خوف کی زنجیریں توڑنا ہوں گی اور روح پر سے کمزوریوں کے جالے اتارنا پڑیں گے۔

ان خطرات کو محسوس کرنے کے لئے ہمیں خود سے ایک سوال کرنا چاہیے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کو کیا جواب دیں گے کیا ہم اپنی آنے والی نسلوں کو یہ بتائیں گے کہ ہم نے تولڑنے کے لئے ہتھیار اٹھائے تھے لیکن پھر ہم نے ہتھیار پھینک دیئے اور شکست قبول کرلی ؟ہمارے اس طرز عمل سے آنے والی نسل کے جہاد کے بارے میں کیا خیالات ہوں گے ؟

ہمیں تمام رکاوٹوں اور پابندیوں کو توڑتے ہوئے جہاد کا پیغام پوری دنیا میں پہنچانا ہے ۔دنیابھر کے ذرائع ابلاغ نے جہاد کی خبروں اور جہادی سرگرمیوں اور جہادی تحریک کا جس طرح محاصرہ کررکھا ہے ہمیں اس محاصرے سے نکلنا ہوگا۔ یہ ابلاغی جنگ ہے اورہمیں اس جنگ کو فوجی جنگ کے ساتھ لے کر چلنا ہے ۔مسلم اقوام کو آزاد کرانے ،اسلام کے دشمنوں سے لڑنے اور ان کے خلاف جہادی مہم کاآغاز کرنے کے لئے ہمیںایک مسلم ریاست کی ضرورت ہے ۔ایک مسلم ریاست کی طاقت اور اختیارکے بغیر یہ سب ناممکن ہی رہے گا ۔اسلامی جہادی تحریک کے اولین مقاصد میں سے یہ ایک بنیادی مقصد ہونا چاہیے ،چاہے کتنا بھی وقت اور قربانیاں کیوں نہ دینا پڑیں ۔



انٹرنیٹ ایڈیشن

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

http://www.muwahideen.tk

info@muwahideen.tk